© rasailojaraid.com

تدوین حدیث

(از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ)

حدیث کے متعلق ایک مدت سے ہندوستان میں غلط فہمیاں پھیل رہی ہیں جن کی بنا چاہے نیک نیتی پر ہی ہو، مگر بہر حال ناواقفیت پر تو ضرور قائم ہے اور اس سے فی الواقع دین کو بڑا نقصان پہنچ رہا ہے۔ حال میں اس فتنہ میں پھر تازہ روح پھونکی گئی اور بہت سے لوگ اس سے گمراہ ہوئے۔ ترجمان القرآن میں اس سے پہلے حدیث کے متعلق متعدد مضامین لکھے جا چکے ہیں جن میں سے اکثر میری کتاب تفہیمات حصہ اول میں جمع کر دیئے گئے ہیں، لیکن کوئی مبسوط بحث کرنے کا موقع نہ ملا تھا۔ الحمد للہ کہ اس کمی کو جناب مولانا مناظر احسن صاحب نے بطریق احسن پورا کر دیا ہے۔

مولانا کا یہ مضمون دراصل جامعۂ عثمانیہ کے توسیعی خطبات کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس کو ہندوستان کے متعدد رسالوں نے قسط وار اپنے صفحات میں شائع کیا ہے، مگر اقساط میں تقسیم ہو جانے کی وجہ سے اس کا پورا فائدہ حاصل نہ کیا جا سکا۔ یہاں اس کو بتمام و کمال ایک ہی اشاعت میں درج کیا جا رہا ہے، اور کوشش کی جائے گی کہ اسے الگ کتابی صورت میں بھی طبع کرا لیا جائے تاکہ اس کی اشاعت عام ہو سکے۔ میں مولانا کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس رسالہ کو نہ صرف ترجمان القرآن میں، بلکہ الگ کتابی صورت میں بھی شائع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ مجھے امید ہے کہ جو لوگ کم علمی کی وجہ سے حدیث کے بارے میں بدگمانیاں رکھتے ہیں وہ اس مقالہ کو طالب علمانہ نظر سے مطالعہ کریں گے۔

ابوالاعلیٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

علم حدیث پر بحث کرنے کے لئے ہمیں اپنے سامنے ان چند سوالات کو رکھ لینا چاہئے:-

(۱) حدیث کی حقیقت کیا ہے،

(۲) اس علم کی تدوین کب، کس طریقہ سے کس زمانہ میں شروع ہوئی، اور ان طریقوں کا اس علم کے وثوق واعتماد پر کیا اثر مرتب ہوا یا ہو سکتا ہے،

(۳) ابتداء سے اس وقت تک اس فن کی ممتاز خدمتیں جن بزرگوں نے انجام دیں، خود ان کی اور ان کے کارناموں کی تفصیل،

(۴) اس فن کے متعلق کن جدید تکمیلی کوششوں کی ضرورت باقی ہے،

(۵) حدیث کے بعد فن حدیث کے دوسرے متعلقات یعنی فن اسماء الرجال اور اصول حدیث کی حقیقت ان کی تاریخ، موجودہ حیثیت، ان میں آئندہ ترقیوں کے امکانات۔

حدیث کی حقیقت | سب سے پہلے میں پہلے سوال کو لیتا ہوں یعنی حدیث کی حقیقت کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ عموماً دنیا میں دو طرح کی قومیں پائی جاتی ہیں۔ بعض بلکہ شاید زیادہ تر قومیں ایسی ہیں جنہوں نے اپنے حال کا ماضی سے وابستہ رکھنے کی کوشش نہیں کی۔ اگرچہ واقعہ تو یہی ہے کہ کسی قوم کا کوئی حال ماضی سے الگ ہو کر تعمیر پذیر نہیں ہو سکتا۔ لیکن باوجود اس واقعہ کے جیسے جیسے وہ آئندہ کی طرف بڑھتی رہیں، اپنے ماضی کو بھلاتی چلی آئیں۔ ان کے پاس اپنے موجودہ حالات پر غور و فکر کرنے کے لئے گذشتہ حالات و واقعات، تجربات و مشاہدات کا کوئی سرمایہ نہیں ہے۔ گویا جس طرح جنگل کی زندگی گذاری جاتی ہے، یہ بھی گذار رہے ہیں۔ آخر ریچھوں اور بندروں کو کیا معلوم کہ ان کے جدِ اعلیٰ کون تھے، کن کن جنگلوں اور وادیوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہاڑوں سے چھلانگیں مارتے ہوئے، ان کے آباؤ اجداد موجودہ مقام تک پہنچے۔ کن کن حالات سے ان کو دوچار ہونا پڑا۔

لیکن ان کے مقابلہ میں انسانوں ہی کا ایک طبقہ ان قوموں کا بھی ہے جنہوں نے حتی الوسع اس کی کوشش کی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو حال کی تعمیر میں ماضی کے تجربات و واقعات سے نفع اٹھایا جائے، اور اس کے لئے ان کو ضرورت محسوس ہوئی کہ گذرے ہوئے واقعات کو کسی نہ کسی طرح محفوظ کر لیا جائے۔ انسانیت کے اس گروہ کی اسی کوشش کا نام تاریخ ہے۔ ابتداء میں تاریخ کی حفاظت و بقا کا شوق قوموں میں کم رہا ہے، لیکن اب تو یہ ایک ایسی ناگزیر ضرورت بن گئی ہے کہ اپنی توانائیوں کا ایک بڑا حصہ ہر قوم اس پر خرچ کر رہی ہے جس سے ہم اور آپ سب واقف ہیں۔ جنگل کی زندگی بسر کرنے والے بھی اب اپنے اجداد و اسلاف کے کارناموں کی جستجو گڑی ہوئی ہڈیوں اور پرانے مقبروں اور مرگھٹوں میں کر رہے ہیں۔ کونہ کونہ سے قدیم سکے برآمد کئے جا رہے ہیں، کہنہ قبروں کی کتابوں کے حروف کے پڑھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ پرانے کھنڈروں کی ایک ایک ٹھیکری چنی جا رہی ہے۔ ان ہی پر واقعی کہئے یا خیالی بلند و بالا عمارتیں تعمیر ہو رہی ہیں۔ گویا اس علم کی ناگزیر ضرورت کو دنیا کی اکثر قوموں نے اب تسلیم کر لیا ہے، اور بجز چند رہبانی الطبع تنگی مزاج، خشک دماغ فلسفیوں کے، عام دنیا کا شدید رجحان بھی ان چیزوں کے جاننے کی طرف ہے۔

تاریخ اور فن حدیث دنیا کی اسی تاریخ کے ایک عظیم الشان، حیرت انگیز انقلابی حصہ کا نام سچ پوچھئے تو حدیث ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جن انقلابات و حوادث سے گزر کر نسل انسانی موجودہ حالت تک پہنچی ہے، ان میں ایک ایسا واقعہ، جس نے کسی خاص شعبہ حیات ہی میں نہیں، بلکہ مذہبی، سیاسی، معاشرتی، اخلاقی، تمام شعبوں میں انسانیت کا رخ پلٹ دیا، جس سے زمین کا کوئی خاص حصہ نہیں بلکہ بلا مبالغہ مشرق و مغرب دونوں متاثر ہوئے، ہو رہے ہیں اور ہوتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہیں گے، ماضی کے اسی مدہش حیرت انگیز واقعہ کی تاریخ یا تفصیلی بیان کا نام حدیث ہے۔ اگرچہ عام طور پر مسلمانوں کی ابتدائی تاریخ سے حدیث کا تعلق قرار دیا جاتا ہے لیکن جہاں تک واقعات و حالات کا تعلق ہے میں "حدیث" کو "انسانیت" کی تاریخ کا ایک حصہ اور ایسا حصہ قرار دیتا ہوں جس کی صرف یہی خصوصیت نہیں ہے۔ کہ ایک بے نظیر عدیم المثال عالمگیر انقلابی عہد سے اس کا تعلق ہے، بلکہ سچ پوچھئے تو آج جس کسی کے پاس یا جس قوم و امت کے ہاتھ میں بھی ماضی بلکہ حال کی تاریخ کا جو حصہ ہے وہ وثوق و اعتماد میں تاریخ کے اس "محفوظ حصہ" یعنی حدیث کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ میں ان آزردہ فطرت شکیوں میں نہیں ہوں، جو تاریخ کو جھوٹ کا جنگل قرار دے کر ماضی کا انکار کرتے ہیں، اور "جو کچھ محسوس ہو رہا ہے یہ نہیں محسوس ہو رہا ہے" اس سوفسطائی نظریہ پر زور دے کر حال کے وجود کو بھی شک کے دانتوں سے چبا کر ختم کرنا چاہتے ہیں۔ بلکہ تاریخ کے مقررہ معیار پر ماضی کے جن واقعات کی اب تنقیح ہو چکی ہے اس کی قدر کرتا ہوں، اور سمجھتا ہوں کہ آئندہ کی راہ درست کرنے کے لئے ہمیں ہمیشہ ماضی کی روشنی سے نفع اٹھانا چاہیئے۔

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (لوگوں سے پچھلے قصے بیان کیا کرو تاکہ وہ سوچیں)

لیکن اگر یہ صحیح ہے، جیسا کہ ایک بڑے مشہور مسلم الثبوت مؤرخ کا بیان ہے کہ:-

"کسی زمانہ کے حالات جب قلمبند کئے جاتے ہیں تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلم بند کر لی جاتی ہیں جن کے راویوں کا نام و نشان تک معلوم نہیں ہوتا۔ ان افواہوں سے وہ واقعات انتخاب کر لئے جاتے ہیں، جو قرائن و قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں۔ تھوڑے زمانہ کے بعد (یعنی کتابی شکل اختیار کرنے کے بعد) یہی ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتی ہے۔ یورپ کی اکثر تصنیفیں اسی اصول پر لکھی گئی ہیں۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس وقت ہمارے پاس ماضی کی تاریخوں کا جو ذخیرہ ہے خواہ وہ روم ہو یا یونان، چین ہو یا ایران ان قدیم اقوام کی تاریخ جن ذرائع سے مرتب ہوئی ہے، اگر ان کے اساسی سرچشموں کی جانچ کی جائے گی تو جو کچھ اس فاضل مورخ نے بیان کیا ہے، بہت کچھ اس کی توثیق کرنی پڑے گی۔ مشکل ہی سے انسانوں کے پاس اس وقت کوئی ایسی تاریخی یادداشت مل سکتی ہے، جسے واقعہ کے عینی شاہدوں نے خود مرتب کیا ہو، یا ان کے براہ راست بیانوں کو خود ان ہی سے سن کر کتابوں میں درج کیا ہو۔ اتفاقاً اگر کوئی ایسی چیز مل بھی جائے تو اس کا پتہ چلانا قطعاً دشوار بلکہ شاید ناممکن ہے کہ ضبط و اتقان، سیرت و کیرکٹر کے لحاظ سے ان کا کیا درجہ تھا۔ معتبر سے معتبر ترین کسی تاریخی ذخیرہ کے وثوق کے متعلق اگر کوئی بات پیش کی جاسکتی ہے تو یہی ہے کہ جس زمانہ میں واقعہ گزرا ہے مورخ خود بھی اس زمانہ میں موجود تھا۔ اتفاق سے کسی واقعہ کے متعلق اگر ایسی شہادت میسر آجاتی ہے تو تاریخ کا یہ حصہ زریں شاہکاروں میں شریک کردیا جاتا ہے۔ لیکن خود اس معاصرت کا یہ حال ہے کہ قدیم ماضی کے تاریک زمانہ کو تو جانے دیجئے، آج جب کہ جدید صناعات و ایجادات نے زمین کی طنابیں کھینچ کر ایک ملک کو دوسرے ملک سے ملا دیا ہے، تعلیم عام ہوچکی ہے، کم از کم یورپ کے مکتبوں اور اسکولوں میں روئے زمین کے اطلسوں کا مطالعہ ہر ایک کو کرادیا جاتا ہے، لیکن ایک واقعہ نہیں، آئے دن ایسی ایسی جہالتوں اور غلط فہمیوں کے شکار غریب جاہل مشرقی ہی نہیں بلکہ فرزانہ و دانا فرنگ کے ارباب خبر و علم ہوتے رہتے ہیں کہ بعض دفعہ آدمی کو حیرت ہوجاتی ہے، اور "تاریخ جھوٹ کا جنگل ہے" دماغ سوچنے لگتا ہے کہ کیا اس دعوے میں کچھ واقعہ کا عنصر بھی شریک ہے؟ بہت پرانے زمانہ کی بات نہیں ہے کہ ۱۹۰۵ء میں کانگڑہ (پنجاب) کا مشہور زلزلہ ہندوستان میں آیا تھا۔ ایک نہیں بلکہ متعدد انگریزی اخباروں میں اس زلزلہ کے متعلق یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ "کانگڑہ جو بمبئی کے قریب ایک جزیرہ ہے وہاں ایک سخت زلزلہ آیا"۔ اور یہ بچارے اخبار والے تو شہر خبر دوں کی جماعت ہے، عام طور پر گپ نویسی میں یہ بدنام ہے، لیکن مشہور ریفرنس بک ہینزل کی اینویل جو مشہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتاب ہے اور ہر قسم کے حوالجات کے لئے ایک مستند کتاب سمجھی جاتی ہے، اس میں اسی زلزلے کے متعلق یہ عبارت اس وقت تک موجود ہے:۔

"ایک سخت زلزلے نے ایک وسیع ضلع میں جو آگرہ اور شملہ کے درمیان واقع ہے عام تباہی اور سخت نقصان برپا کیا"۔

نقصان کی تفصیل بتاتے ہوئے صرف اسی مورخ نے نہیں، بلکہ دوسروں نے بھی یہ ارقام فرمایا ہے کہ "اس سے کئی سو آدمی ہلاک ہوئے"۔ حالانکہ پنجاب گورنمنٹ کی رپورٹ کے مطابق اس زلزلہ میں بیس ہزار سے کم آدمی ہلاک نہیں ہوئے تھے۔ معاصر مورخین کی کتابوں میں اگر اس قسم کی طرفگیوں اور بوالعجبیوں کو تلاش کیا جائے تو ایک اچھی خاصی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

سیاحوں کی یادداشتوں کو بھی تاریخی وقائع کے ثبوت میں بہت اہمیت دی جاتی ہے اور اس سے بے پروا ہو کر دی جاتی ہے کہ خود اس سیاح کا اپنے ذاتی رجحانات، سمجھ بوجھ، سچائی، راستبازی میں کیا حال تھا۔ لیکن ان سیاحوں کی بدولت واقعات کی صورت کبھی کبھی کتنی مسخ ہو جاتی ہے اس کا ایک سرسری اندازہ ہمارے موجودہ میر شعبۂ دینیات (نواب ناظر یار جنگ جسٹس حیدرآباد ہائی کورٹ) کے ڈرائنگ روم کی ایک تصویر سے ہو سکتا ہے جو انگلستان کے ایک معتبر اخبار سے الگ کر کے محفوظ کی گئی ہے۔ یہ ہندوستان کے ایک موقع کی تصویر ہے اور اس کے نیچے جلی حروف میں یہ لکھا ہوا ہے کہ "بودھ مذہب کے لوگ اپنی ایک مشہور مذہبی رسم جو دیا کے نام سے موسوم ہے ادا کر رہے ہیں"۔ میں نے اس تصویر کے نیچے جب اس فقرہ کو پڑھا، تو بار بار حیرت ہوتی تھی کہ آخر یہ کیا ہے۔ تصویر سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی ایک جماعت نماز پڑھ رہی ہے۔ اُن کی شکل وصورت، لباس، وضع قطع، طریقہ نشست، ہر چیز ہندی مسلمانوں کی تھی۔ لیکن معتبر سیاح نے جس وقت یہ فوٹو لیا تھا اس کے نیچے اس نے یہی عبارت درج کی تھی۔ آخر جب میر شعبہ صاحب باہر تشریف لائے تو ان سے پوچھنے پر معلوم ہوا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ آپ نے قصداً اس تصویر کو اسی لئے محفوظ کیا ہے تاکہ یورپین سیاحوں کی تاریخی شہادت کی ایک گواہی مہیا ہو۔ آپ نے فرمایا کہ یہ دہلی میں نماز عید کے موقعہ کی تصویر ہے۔ ایک مغربی سیاح نے اس عید کو اڈیا بنایا اور اڈیا کو خدا جانے کس طرح اس نے بودھ مذہب والوں کی رسم قرار دے کر اخبار میں اپنے اس جدید اکتشاف کا اعلان کیا۔

ان چند تشکیکی مثالوں کے پیش کرنے سے میری یہ غرض نہیں ہے کہ واقعی میں دنیا کے موجودہ تاریخی ذخیروں کو بالکلیہ غیر معتبر اور ناقابل لحاظ قرار دینا چاہتا ہوں۔ بلکہ مقصد صرف اس قدر ہے کہ ان کمزوریوں کے باوجود بھی آج جب علمی دنیا میں "فن تاریخ" ہر قسم کے احترام و اعزاز کا مستحق ہے، تو "حدیث" جو صرف مسلمانوں ہی کی تاریخ نہیں ہے بلکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا تمام دنیا کی انسانیت کے ایک عظیم انقلابی عہد آفریں دور کا ایک ایسا مکمل تاریخی مرقع ہے جسے ٹھیک حقیقی اور اصلی شکل و صورت بلکہ ہر خط و خال کی حفاظت میں لاکھوں ہی نہیں بلکہ کروڑوں انسانوں کی وہ ساری کوششیں اور تدبیریں صرف ہوئی ہیں جو کسی واقعہ کی حفاظت کے متعلق آدمی کا دماغ سوچ سکتا ہے، بلکہ اس کی حفاظت و صیانت میں بعض ایسے قدرتی عوامل نے بھی کام کیا ہے (جیسا کہ ابھی آپ کو معلوم ہوگا) جو دنیا کے کسی تاریخی واقعہ کو نہ اس وقت تک میسر آئے اور نہ آئندہ آسکتے ہیں، کس احترام و اعزاز کی مستحق ہونی چاہیئے۔

حدیث کی مدرسی تعریف لیکن قبل اس کے کہ میں کچھ اور کہوں، اس پر بھی متنبہ کر دینا چاہتا ہوں کہ حدیث، جس کے متعلق نہ جاننے والوں کا تو صرف یہ خیال ہے کہ وہ دینیاتی طرز کی کوئی چیز ہے، اور دینیات کے لفظ کے ساتھ ہی ان کا دماغ فوراً دور وحشت کے ان قدیم خرافات کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جسے بدقسمتی سے اس زمانہ میں مذہب یا مذہب کی ایک قسم خیال کیا جاتا ہے۔ گویا دینیات کے معنی چند بے ہی رسوم و عادات، یا چند رٹے ہوئے الفاظ، منتر، جنتر، جادو، ٹوٹکے وغیرہ کے ہیں، جن میں صحرائی باشندے کسی زمانہ میں کیا اب تک مبتلا ہیں۔ مذہب کے متعلق جن کے دماغوں میں اس قسم کے خیالات ہیں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدیث جو مسلمانوں کے مذہبی علوم کا ایک جزو ہے، اس کے متعلق میرے ان دعوؤں کو سن کر ممکن ہے کہ انہیں حیرت ہو۔ اور ان کی حیرت تو چنداں محل تعجب نہیں، اس لئے کہ "جہل" ان مسکینوں کے لئے بڑا عذر ہے۔ لیکن جاننے والوں کو بھی شاید شبہ ہوتا ہو گا کہ مدرسہ میں جس فن کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور ایسے واقعات جو اُن کے سامنے پیش آئے لیکن ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی (جسے اصطلاحاً تقریر کہتے ہیں) غرض پیغمبر کے اقوال و افعال و تقریر کا نام حدیث ہے اور بعضوں نے اس کو آگے بڑھا کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور بعضوں نے صحابہ کے شاگردوں یعنی تابعین کے اقوال و افعال کو بھی اس فن کے ذیل میں شریک کر لیا ہے۔

کہاں حدیث کی یہ مدرسی اور مذہبی تعبیر، اور کہاں میرا یہ دعویٰ کہ حدیث مسلمانوں ہی کی نہیں، بلکہ انسانیت کے اہم ترین انقلابی عہد کی تاریخ کا معتبر ترین ذخیرہ ہے۔ ان دونوں میں کیا نسبت ہے۔ شاید یہ خیال کیا جاتا ہو کہ زمانہ کے حالات سے متاثر ہو کر میں نے اپنی تعبیر بدلی ہے۔ لیکن یہ واقعہ نہیں ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر چیز کے سمجھانے کے لئے اسی زبان میں گفتگو کی جاتی ہے جسے مخاطب سمجھ سکتے ہوں۔ مجھے اس سے انکار نہیں ہے کہ میں نے اس فن کی تعریف کرتے ہوئے کچھ الفاظ ضرور بدلے ہیں۔ لیکن الفاظ کے بدلنے سے واقعات نہیں بدلتے۔ جو نہیں جانتے ہیں، انہیں تو آئندہ بتایا جائے گا لیکن جو جانتے ہیں کہ حدیث کا تعلق کس ذات گرامی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہے، کیا وہ اس کا انکار کر سکتے ہیں کہ جن الفاظ میں اس فن کی میں نے تعبیر پیش کی ہے کیا یہی اصل واقعہ نہیں ہے؟ اسلامی تحریک نے اپنے زمانہ آغاز سے اس وقت تک مشرق و مغرب کے باشندوں کی مذہبی، سیاسی، معاشرتی، اخلاقی پہلوؤں کے انقلاب میں جو کام کیا ہے اور کر رہا ہے، اُن کو پیش نظر رکھنے کے بعد مسلمان ہی نہیں کوئی نامسلمان بھی کیا حدیث کی اس تاریخی تعبیر کا انکار کر سکتا ہے جسے میں نے پیش کیا ہے؟

ماسوا اس کے سچ یہ ہے کہ بالکلیہ یہ میری تعبیر ہے بھی نہیں۔ فن حدیث کے سب سے بڑے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام، امام الائمہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کا جو نام رکھا ہے۔ اگر اسی پر غور کر لیا جائے تو بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ میں نے جو کچھ کہا ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ سمجھنے والوں نے ہمیشہ اس فن کو اسی نگاہ سے دیکھا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب آج تو صرف "بخاری شریف" کے نام سے مشہور ہے لیکن یہ اس کتاب کا اصلی نام نہیں ہے بلکہ خود حضرت امامؒ نے اپنی کتاب کا نام۔

"الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ایامہ"

رکھا ہے۔ اس میں "امور" اور "ایام" کے الفاظ قابل غور ہیں، جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی صحیح تعریف امام بخاری کے نزدیک ان تمام امور کو حاوی ہے جن کا کسی نہ کسی حیثیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ہو۔ آگے ایام کے لفظ نے تو اس کی تعریف کو اور بھی وسیع کر دیا، یعنی وہی بات جو میں نے عرض کی تھی کہ فن حدیث دراصل اس عہد اور زمانہ کی تاریخ ہے جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسی ہمہ گیر عالم پر اثر انداز ہونے والی ہستی انسانیت کو قدرت کی جانب سے عطا ہوئی۔ بہرکیف، اگر اصطلاحی جھگڑوں سے الگ ہو کر پھل سے درخت کے پہچاننے کے اصول کو مدنظر رکھا جائے تو حدیث کے موجودہ ذخیرہ پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد بھی ایک معمولی آدمی اس کا اندازہ کر سکتا ہے کہ حدیث کی صحیح حقیقت اور اس کی واقعی تعریف وہی ہو سکتی ہے جس کی طرف حضرت امام بخاری نے اپنی کتاب کے نام میں اشارہ فرمایا ہے اور میں نے جس کی تشریح کی ہے۔

© rasailojaraid.com

غالباً "حدیث" کی حقیقت یا تعریف کے لئے میرا یہ مختصر بیان کافی ہو سکتا ہے۔ درسی کتابوں میں جیسا کہ ہر تعریف کے قیود و شرائط پر بحث کر کے بات کا بتنگڑ بنانے کی کوشش کی جاتی ہے، میں ان دور از کار لفظی گورکھ دھندوں میں آپ لوگوں کو الجھا کر وقت نہیں ضائع کرنا چاہتا، اس لئے اس بحث کو اسی نقطہ پر ختم کر کے اب میں دوسرے ضروری سوالات کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ ہمارے سامنے دوسرا سوال یہ تھا کہ تاریخ کے اس حصہ کی تدوین کس طرح اور کس زمانہ میں عمل میں آئی؟ اسی سوال کے جواب میں آپ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے سامنے وہ امتیازات اور خصوصیات بھی آجائیں گے جو تاریخ کے اس حصہ کو دنیا کے دوسرے تاریخی ذخیروں سے ممتاز کرتے ہیں۔

اس تاریخ کے ابتدائی مورخین و رواۃ کی خصوصیات

اتنا تو کم از کم ہر لکھا پڑھا آدمی جانتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی پاک، یا بالفاظ امام بخاری "امور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم و ایامہ" کے پہلے رواۃ یا ابتدائی مورخین وہی حضرات ہیں جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے شرف صحبت سے فیض یاب تھے، یعنی صحابہ کرام۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان بزرگوں نے تاریخ کے اس حصہ کی روایت کیا اُن ہی اسباب کے تحت کی جن کے زیر اثر دنیا کی دوسری تاریخیں مدون ہوئی ہیں؟ میرا مقصد یہ ہے کہ دنیا کے عام تاریخی سرمایوں کی تدوین میں جس طرح عموماً حال کو ماضی سے مربوط رکھنے کا جذبہ یا پچھلوں کی مجلسوں کو پہلوں کی داستانوں سے گرم رکھنے کا ذوق کارفرما رہا ہے، کیا حدیث کی تدوین بھی اسی جذبہ کے تحت ہوئی؟ میرا خیال ہے کہ حدیث کی تدوین کی بحث چھیڑنے سے پہلے سخت ضرورت ہے کہ پہلے ان اسباب، یا جیسا کہ میں نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے، اُن قدرتی عوامل کو سامنے لایا جائے جو دنیا کی عام تاریخ سے اس خاص حصہ یعنی حدیث کو بالکل جدا کر دیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس بحث میں آپ کا کچھ زیادہ وقت میں لوں، لیکن بات چونکہ بالکل نئی ہے، اس لئے اجمال سے کام لینے میں اندیشہ ہے کہ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں، وہ شائد پورے طور سے ذہن نشین نہ ہو سکے۔ میں ان امتیازی اسباب و عوامل کو الگ الگ کر کے بیان کرتا ہوں۔

عام تاریخی ذخیروں سے حدیث کے امتیازات

(۱)

عام تاریخوں سے تاریخ کے اس حصہ کو جو پہلا امتیاز حاصل ہے وہ اُس امر کی بساطت ہے جس سے اس کا تعلق ہے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے پاس اس وقت تاریخ کے جو عام ذخیرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں عموماً اُن کا تعلق کسی قوم کی حکومت کسی عظیم الشان جنگ، الغرض اسی قسم کی منتشر اور پراگندہ گوناگون چیزوں سے ہے جن کا احاطہ آسان نہیں ہے۔ بخلاف اس کے حدیث اُس تاریخ کا نام ہے جس کا تعلق براہ راست ایک خاص شخصی وجود، یعنی سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ ایک قوم، ایک ملک، ایک حکومت، ایک جنگ کے تمام اطراف و جوانب کو صحیح طور پر سمیٹ کر بیان کرنا ایک طرف ہے، اور دوسری طرف ملک نہیں ملک کی کوئی خاص قوم نہیں، کسی قوم کا کوئی قبیلہ نہیں، کسی قبیلہ کا کوئی خاندان نہیں، بلکہ صرف ایک واحد بسیط شخص کی زندگی کے واقعات کا بیان کرنا ہے۔ خود اندازہ کیجئے کہ احاطہ و تدوین کے اعتبار سے دونوں کی آسانی و دشواری میں کوئی نسبت ہے؟ پہلی صورت میں کوتاہیوں، غلط فہمیوں غلطیوں کے جتنے قوی اندیشے ہیں، یقیناً اسی نسبت سے دوسری صورت میں صحت و واقعیت کی اسی قدر عقلاً توقع کی جا سکتی ہے۔

(۲)

دوسرا امتیاز جو پہلے امتیاز سے بہت زیادہ اہم ہے، وہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے مورخوں یعنی صحابہ کرام کا باہمی تعلق ہے۔ بلا شبہ اس وقت ہمارے سامنے مختلف اقوام و ممالک سلاطین اور حکومتوں کی تاریخیں ہیں، لیکن جن مورخوں کے ذریعہ سے یہ تاریخیں ہم تک پہونچی ہیں، کیا اُن میں کسی تاریخ کا اپنے مورخ یا مورخین سے وہ تعلق تھا جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام کے ساتھ تھا؟ سب سے پہلی بات تو یہی ہے کہ مشکل ہی سے آج کوئی ایسا تاریخی حصہ ہمارے پاس نکل سکتا ہے جس کے مورخین خود ان واقعات کے عینی شاہد ہوں، بلکہ جیسا کہ پہلے بھی میں نے ذکر کیا ہے، عموماً ان تاریخوں کی تدوین یوں ہی ہوئی ہے کہ ابتداءً مبہم مجہول لحال افواہوں کی صورت میں واقعات اِدھر اُدھر بکھرے رہے، پھر ان میں سے جب کسی کو شوق ہوا تو اس نے ان ہی افواہوں کو قلمبند کرنا شروع کیا، پھر خود اس مورخ ہی نے یا اس کے بعد والوں نے قرائن و قیاسات سے جہاں تک ممکن ہوا،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس حصہ کو چاہا باقی رکھا، جسے چاہا قلم زد کر دیا۔ یہ تو شروع میں ہوا بعد کو جوں جوں ان قلم بند شدہ واقعات پر زمانہ گزرتا گیا، اوراق میں زیادہ بوسیدگی پیدا ہوئی، کیڑوں کی خوراک سے بچ کر جو حصہ باقی رہا آنے والی نسلوں کے لئے وہی تاریخی وثیقہ بن گیا۔ آج اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ مطبوعہ کتابوں سے زیادہ بھروسہ قلمی کتابوں پر ہے، اور قلمی کتابوں میں بھی سب سے زیادہ قیمتی وہ مسودات ہیں جو بوسیدہ اور کرم خوردہ ہو چکے ہوں، اور سنگی، برنجی یا آہنی تختیوں کا کوئی ذخیرہ اگر کسی مورخ کو مل گیا تو وہی چیز جو ہمارے ہی جیسے انسانوں نے کسی زمانہ میں لکھ کر زمین میں گاڑ دی تھی، بلکہ ہم تو اپنے معاصرین کو ایک حد تک جانتے بھی ہیں، لیکن ان کے لکھنے[1] والوں کا تو کچھ پتہ نہیں ہوتا، مگر کیا کیجئے کہ بایں ہمہ وہ معصوم فرشتوں کے بیان کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔

لیکن اسی کے ساتھ مجھے اس کا بھی اعتراف کرنا چاہیے کہ مذکورہ بالا کلیہ سے تاریخ کے بعض حصے مستثنیٰ بھی ہیں، خصوصاً اسلامی دور میں مسلمان بادشاہوں کے حکم سے جب تاریخوں کی تدوین کا سلسلہ شروع ہوا، اور باضابطہ شاہی وسائل و ذرائع کے ذریعہ سے مورخوں کو واقعات کے فراہم کرنے میں امداد دی گئی، یقیناً ان کتابوں کی نوعیت قدیم تاریخوں سے بالکل جداگانہ ہے۔ اسی طرح

۱؎ بلکہ اگر بعض ثقہ راویوں کا یہ بیان صحیح ہے کہ ہندوستان کی بعض قوموں کے علمی مرکزوں میں "قدیم ہند" کے لئے تاریخی سواد فراہم کرنے کی ایک صورت یہ بھی نکالی گئی ہے کہ آہنی اور برنجی پتروں یا تختیوں پر پرانی زبانوں اور پرانے حروف میں اپنے مطلب کے موافق عبارتیں کندہ کر لی جاتی ہیں، اور کسی مشہور آثاری کھنڈر میں ان ہی کو دفن کر دیا جاتا ہے، پھر کچھ دنوں کے بعد ان ہی کو نکال کر علمی ذخیرہ میں جدید اکتشاف کی حیثیت سے ان کا اور ان سے جو نتائج نکلتے ہیں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو علم پر جاہلوں کا یہ کتنا بڑا ظلم ہے اور اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہم جن قدیم کتبوں پر اندھا دھند ایمان لائے ہیں، ان میں بھی اشتباہ کی کس حد تک گنجائش ہے۔ بلکہ سکندر کی لا بنی مدفون قد بول کا افسانہ اگر صحیح ہے تو صرف کتاب ہی نہیں بلکہ ان کھنڈروں سے جو چیزیں نکل رہی ہیں اور ان سے جو نتائج نکالے جاتے ہیں وہ بھی محل ۴

۴ غور و فکر بن جاتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمان مورخوں کی بنائی ہوئی راہوں پر اس زمانہ میں خصوصاً مغربی نویس نسبتاً زیادہ حزم و احتیاط سے کام لے رہی ہیں۔ لیکن کچھ بھی ہو کسی زمانہ کی تاریخ ہو، ان کے مورخوں کو ان واقعات سے یا صاحب واقعات سے قطعاً وہ تعلق نہ تھا اور نہ ہو سکتا ہے جو صحابہ کرام کو ذات قدسی صفات سے تھا۔ یہی نہیں کہ ان بزرگوں نے حضور کے ہاتھ پر ایمان و اسلام کی بیعت کی تھی، آپ کی نبوّت پر وہ ایمان لا چکے تھے، آپ سے ان کو وہ تعلق تھا جو ایک اُمتی کو اپنے پیغمبر سے ہونا چاہیئے، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر جیسا کہ واقعات سے پتہ چلتا ہے، وہ اپنے ماں باپ بیوی بچوں بلکہ اپنی جانوں سے بھی زیادہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی زندگی کو عزیز رکھتے تھے، وہ سب کچھ حضور پر قربان کرنے کے لئے تیار رہتے۔ گویا ایک قسم کے عشق و سرمستی کے نشہ میں مخمور تھے۔ یقیناً یہ ایسا امتیاز ہے جو کسی تاریخی واقعہ کو اپنے مورخین کے ساتھ حاصل نہیں۔ آخر دنیا کی ایسی کونسی تاریخ ہے جس کے بیان کرنے والے مورخین اس تاریخ سے ایسا والہانہ تعلق رکھتے ہوں کہ بیان کرتے جاتے ہیں اور روتے جاتے ہیں، کانپتے جاتے ہیں۔ عبد اللہ بن مسعودؓ کے متعلق ان کے دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے بہت کم حدیثیں بیان کرتے تھے، لیکن اگر کبھی زبان پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نام آگیا، راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد رتعد وارتعدت ثیابہ تنفخ اوداجہ مغرورقة عیناہ۔ کانپنے لگتے اور ان کے کپڑوں میں تھرتھری پیدا ہو جاتی، گردن کی رگیں پھول جاتی تھیں، آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتیں (مستدرک حاکم)۔ ایک عبد اللہ بن مسعود ہی نہیں، بلکہ ان اصحاب کی ایک فہرست تیار ہو سکتی ہے جن پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کے وقت ایک خاص قسم کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔ حضرت ابوذر کبھی کبھی کوئی حدیث بیان کرنا چاہتے، مگر منہ سے اوصانی حبی ابو القاسم اوصانی خلیلی صلی اللہ علیہ وسلم الفاظ نکلتے اور چیخ مار مار کر بیہوش ہو جاتے تھے۔ اسی قسم کے واقعات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذکر میں بھی ملتے ہیں۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس تاریخ کو اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مورخوں میں محبوبیت کا یہ مقام عالی حاصل ہو قدرتی طور پر ان کے دل و دماغ، ان کے حافظے اس سے کس حد تک متاثر ہو سکتے ہیں۔

(۳)

تیسری خصوصیت اس تاریخ اور اس کے راویوں کی یہ ہے کہ علاوہ مذکورہ بالا تعلقات کے، ان براہ راست مورخوں یا چشم دید راویوں اور گواہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت ہی اس بات پر کی تھی کہ "تاریخ کے اس عجیب و غریب واقعہ کے ہر ہر جزو، ایک ایک خط و خال کے زندہ نقوش اپنے اندر پیدا کریں گے۔" انہوں نے جس قرآن کو خدا کی شریعت اور قدرت کا قانون یقین کر کے مانا تھا اس میں بار بار مطالبہ کیا گیا تھا کہ تم میں سے ہر ایک کی زندگی کا نصب العین صرف یہی ہونا چاہیے کہ جو کچھ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اُسے سنو، سن کر یاد رکھو، اور اُس پر ایمان لاؤ، یقین کرو، محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جو کچھ کرتے ہیں ان کی ہر ہر ادا پر نگاہ رکھو اور ٹھیک ٹھیک من و عن جس طرح ان کو جو کچھ کرتے ہوئے دیکھتے ہو تم بھی اس کام کو اسی طرح انجام دینے کی کوشش کرو:۔

(۱) مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا — رسول نے جو کچھ تمہیں دیا ہے اسے پکڑے رہو، اور جس سے انہوں نے روکا ہے اس سے رک جاؤ۔

(۲) وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ۔ — ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا لیکن صرف اسی لئے کہ اس کی پیروی اور اطاعت خدا کے حکم سے کی جائے۔

(۳) قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ۔ — کہدو اگر تم اللہ کو چاہتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ بھی تمہیں چاہنے لگے گا۔

(۴) لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ — تمہارے لئے اللہ کے رسول میں اچھا نمونہ ہے۔

سمع و طاعت، اطاعت و اتباع کے ان پر جلال مطالبوں سے قرآن گونج رہا تھا، اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان لوگوں کے سامنے گونج رہا تھا، جو ہر چیز سے دست بردار ہو کر صرف اس کی آواز میں گم ہونے کا آخری اور قطعی فیصلہ کر چکے تھے۔

ان کا یہ فیصلہ غلط تھا، یا صحیح، مجھے اس وقت اس سے بحث نہیں۔ لیکن حضرات صحابہ کرام کے اس "فیصلہ" کا علم مسلم اور غیر مسلم ہر طبقہ کو ہے۔ بتایا جائے کہ دنیا کے کس تاریخی واقعہ سے اس کے مورخین اور راویوں کا یہ تعلق ہے؟ عجیب بات ہے کہ جن بزرگوں سے کسی زمانہ میں انسانوں کے کسی گروہ کو اگر یہ تعلق پیدا بھی ہوا تھا تو ان کی تاریخ ہی آج ناپید ہے، اور تاریخ کا جو سرمایہ آج ہمارے پاس ہے اس کے مورخوں کو ان تعلقات کی ہوا بھی نہ لگی تھی۔

کہاں پچھلوں کی مجلسوں کی گرم بازاری کے لئے مورخین کے بیانات اور کہاں ان سوختہ سامانوں کی تاریخی شہادتیں۔

(۴)

اسی کے ساتھ ہمیں اس کا بھی اضافہ کرنا چاہئے کہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال کی اطاعت و اتباع ہی ان بزرگوں کے لئے ضروری نہ تھی، بلکہ جس قرآن اور جس فرمان نے ان پر یہ فریضہ عائد کیا تھا اسی نے ان کو اس کا بھی ذمہ دار بنایا تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ کہتے ہوئے انہوں نے سنا ہے، اور جو کچھ کرتے ہوئے انہوں نے دیکھا ہے، وہ دوسروں تک مسلسل پہنچاتے چلے جائیں، ہر حاضر غائب کو، اور ہر پہلا پچھلوں کو ان کی طرف بلاتا جائے۔ قرآنی آیتوں

(۱) كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ	تم ایک بہترین امت ہو انسانوں کی بہی خواہی کے لئے تم ظاہر کئے گئے ہو، تاکہ اچھی باتوں کا لوگوں کو حکم دو، اور بری باتوں سے ان کو روکو،
(۲) وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ	چاہئے کہ تم میں ایک گروہ ہو جو نیکی اور بھلائی کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ — طرف لوگوں کو بلائے اچھی باتوں کا حکم دے اور
يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ — بری باتوں سے روکے۔

ہی کی یہ تفسیر تھی جو مختلف پیرایوں میں صحابہ کرام کو مخاطب کرکے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے۔ منیٰ کا میدان ہے اخیت کی مسجد ہے، ایک لاکھ سے اوپر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کا مجمع ہے، سب کو مخاطب کرکے فرمایا جاتا ہے :۔

(۱) نضر اللہ عبداً اسمع مقالتی فوعاها ثم اداها الی من لم یسمعها۔ (صحاح) — تروتازہ رکھے اللہ اس بندہ کو جس نے میری بات سنی پھر اسے یاد رکھا اور جس نے نہیں سنا ہے اس تک اسے پہنچا دیا۔

یہی منیٰ کا میدان ہے حجۃ الوداع کے مشہور تاریخی خطبہ میں اعلان فرمایا جاتا ہے :۔

(۲) ترکت فیکم شیئین لن تضلوا بعدهما کتاب اللہ وسنتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض (صحاح) — میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں جن کے بعد تم پھر گمراہ نہیں ہو سکتے، (ایک تو) اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت۔ یہ دونوں باہم ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے جب تک کہ حوض (کوثر) پر پھر میرے سامنے آ جائیں۔

مجمع سے یہ دریافت فرمانے کے بعد کہ کیا میں نے پہونچا دیا، آسمان کی طرف انگلیاں اٹھا کر "اللّٰھم ھل بلغت اللّٰھم ھل بلغت" کے ارشاد فرمانے کے بعد آخری رخصت کے اس خطبہ کو اس مشہور متواتر فقرہ پر ختم فرمایا جاتا ہے :۔

الا فلیبلغ الشاھد الغائب (صحاح) — چاہیئے کہ جو حاضر ہے وہ غائب کو پہونچا تا جائے۔

جس دردناک، اثر انگیز ماحول میں اس خاتمہ کا اعلان ہوا ہے، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جن جذبات و ہیجانات سے مخاطب مجمع بھرا ہوا تھا اس پر کیا اثر ہوا ہوگا۔ اسی اثر کا آپ کو یقین

© rasailojaraid.com

لہ یعنی اے اللہ کیا میں نے پہونچا دیا کیا میں نے پہنچا دیا کیا میں نے پہنچا دیا تین دفعہ ارشاد فرمایا ۱۲

© rasailojaraid.com

تھا کہ صحابہ کی جماعت کو خطاب کرکے بطور پیشگوئی آپ فرماتے :۔

تسمعون، ویسمع منکم ویسمع من الذین یسمعون منکم (ابوداؤد، مستدرک)	تم مجھ سے سن رہے ہو، تم سے بھی سنا جائے گا اور جن لوگوں نے تم سے سنا ہے ان سے بھی لوگ سنیں گے۔

نہ صرف عام مجامع میں یہ اعلان کیا جاتا تھا بلکہ ملک کے مختلف اطراف سے وقتاً فوقتاً وفود کے جو سلسلے دربار نبوت میں حاضر ہوا کرتے تھے عموماً ان کو ایسی جگہ ٹھیرایا جاتا تھا جہاں سے اُس واقعہ کے معائنہ اور مشاہدہ کا ان کو کافی موقعہ مل سکتا ہو جس کے وہ مورخ بنائے جاتے تھے، پھر جو کچھ سنانا اور دکھانا مقصود ہوتا وہ سنایا اور دکھایا جاتا تھا۔ آخر میں رخصت کرتے ہوئے حکم دیا جاتا، جیسا کہ بخاری میں ہے۔

احفظوھن واخبروھن من وراءکم	ان باتوں کو یاد رکھو اور جو لوگ تمہارے پیچھے ہیں انہیں ان سے مطلع کرتے رہنا۔

حافظ ابن حجر اس فقرہ کی شرح میں لکھتے ہیں :۔

یشمل من جاء من عندھم وھذا باعتبار المکان ویشمل من یحدث لھم من الاولاد وغیرھم وھذا باعتبار الزمان۔ (فتح الباری)	یہ ان لوگوں کو بھی شامل ہے جن کے پاس سے یہ لوگ آئے تھے اور یہ بات مکان کے لحاظ سے ہے، اور ان آئندہ نسلوں کو بھی شامل ہے جو بعد کو پیدا ہونے والی ہیں، اور یہ بات زمانہ کے حساب سے ہوگی۔

اور یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ اسلام کے دائرہ میں جو قبائل داخل ہوتے جاتے تھے دربار رسالت سے ان کی تعلیم و تلقین کے لئے ذمہ دار اصحاب کو بھیجا جاتا تھا، حکم دیا جاتا تھا کہ جو کچھ تم نے ہم سے سیکھا ہے وہ انہیں بھی جا کر سکھا دو، نہ صرف استحبابی احکام ہی نہیں بلکہ قرآن کی اس آیت :۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی مِنْ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰہُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰہُ وَیَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ۔

جو لوگ چھپاتے ہیں اس چیز کو جسے ہم نے اتارا ہے، اور جو کھلی کھلی باتوں اور سوجھ بوجھ (ہدایت) کی باتوں پر مشتمل ہے اور اس کے بعد چھپاتے ہیں جب کہ انسانوں کے لئے کتاب میں ہم نے اسے بیان کر دیا ہے، یہی لوگ ہیں جن پر خدا بھی لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔

کی بنیاد پر صحابہ کرام جس تاریخ کی نشر و اشاعت کے ذمہ دار ٹھرائے گئے تھے اس کا چھپانا گناہ خیال کرتے تھے خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بھی روایت کرتے تھے:۔

من سُئل عن علم ثم کتمہ الجم یوم القیامۃ بلجام من نار۔ (ابو داؤد و ترمذی)

جس کسی سے علم کی کوئی بات پوچھی جائے اور اسے وہ چھپائے تو قیامت کے دن آگ کی لگام اسے پہنائی جائے گی۔

اور اسی کا نتیجہ تھا کہ سکرات میں مبتلا ہیں، لیکن بعض صحابہ سے یہ مروی ہے کہ اس وقت بھی محض اس خیال سے کہ "علم کے چھپانے" کا الزام ان پر نہ رہ جائے حدیث بیان کرتے جاتے تھے۔ (بخاری و مسلم و عام صحاح)

(۵)

ان تمام امور کے ساتھ اس کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ جس ذات گرامی کے ہر قول کو وہ خدا کی بات اور خدا کا حکم سمجھتے تھے، اسی نے بار بار بکثرت ان کی فطرت میں مشہور حدیث من کذب علی متعمداً فلیتبوء مقعدہ من النار[۱] کے تہدیدی خوف کو اس طرح راسخ کرنے کی کوشش

[۱] جو مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے گا چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ آگ میں تیار کرے۔ ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تھی کہ جتنے صحابیوں سے یہ حدیث مروی ہے، مشکل ہی سے چند حدیثیں اس قدر کثیر تعداد صحابہ سے مروی ہوں گی - اور یوں بھی قرآن کی رو سے یہ نہایت بدیہی بات تھی جس قسم کے ایمان ویقین کی دولت سے یہ لوگ سرفراز تھے اس فعل کی جرأت کس کو ہوسکتی تھی؟ جس اعلیٰ کردار کے وہ مالک تھے یوں بھی ان سے غلط بیانی کی توقع کون کرسکتا ہے؟ ماسوا اس کے جب وہ جانتے تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی امر کا انتساب دراصل اس چیز کو خدا کی طرف منسوب کرنا ہے، اور ایک جگہ نہیں، بے شمار آیتوں میں قرآن نے مفتری علی اللہ (خدا پر جھوٹ باندھنے والے) کو سب سے بڑا ظالم قرار دیا ہے، کیا قرآن پر تازہ ایمان رکھنے والوں کے لئے اس کے بعد اس کی کوئی گنجائش ہوسکتی تھی کہ وہ تعمداً العیاذ باللہ اپنے محبوب رسول پر جھوٹ باندھیں؟ یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہ تو جس وقت "حدیث" بیان کرنے کے لئے بیٹھتے، قبل کچھ بیان کرنے کے من کذب علی متعمداً والی حدیث کو ضرور پڑھ لیتے تھے، تاکہ ان میں اپنی نازک تاریخی ذمہ داری کا احساس بیدار اور تازہ ہو جائے۔ امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں راوی ہیں کہ خصوصیت کے ساتھ ذخیرہ حدیث کے سب سے بڑے راوی یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ دوامی قاعدہ تھا کہ:-

یبتدء محدثہ بان یقول قال رسول اللہ الصادق المصدوق ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم من کذب علی متعمداً فلیتبوء مقعدہ من النار (اصابہ ج ع)

اپنی حدیث جس وقت بیان کرنی شروع کرتے تو کہتے:- فرمایا رسول اللہ صادق ومصدوق ابوالقاسم صلے اللہ علیہ وسلم نے "جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ آگ میں تیار کرلے"۔

اس کے بعد جو کچھ بیان کرنا چاہتے تھے، بیان فرماتے۔

(۶)

اسی کے ساتھ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جو کچھ صحابہ کو سناتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے، یا کر کے دکھاتے تھے، اس کے متعلق صرف یہ حکم دے کر نہ رہ جاتے کہ تم بھی ان کو یاد رکھنا یا کرنا، بلکہ اس کی باضابطہ نگرانی فرماتے تھے کہ اس حکم کی کس حد تک تعمیل کی جاتی ہے۔ مہمات شریعت اور اساسی امور کے متعلق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نگرانی کا کیا حال تھا اس کا اندازہ آپ کو اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک معمولی بات، یعنی ایک صحابی کو یہ بتاتے ہوئے کہ جب سونے لگو تو یہ دعا پڑھ کر سو یا کرو، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بتانے کے بعد فرمایا کہ اچھا میں نے کیا کہا اسے دہراؤ۔ صحابی نے آخری فقرہ امنت بکتابك الذی انزلت ونبیك الذی ارسلت[1] میں "بنیك" کے لفظ کو "رسولك" کے لفظ سے بدل دیا، جو تقریباً ہم معنی الفاظ ہیں، یعنی بجائے نبی کے رسول کا لفظ استعمال کیا، لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے چونکہ "نبیك" کا لفظ ادا فرمایا تھا، حکم ہوا کہ میں نے یہ نہیں کہا، وہی کہو جو میں نے بتایا۔ ظاہر ہے کہ قانونی طور پر سونے کی دعا کی حیثیت اُن شرعی حقائق کی نہیں ہے جنہیں فرض و واجب کے ذیل میں شمار کیا جاتا ہے لیکن باوجود اس کے ایک ایک لفظ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی سخت نگرانی تھی بخاری میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عام گفتگو کے متعلق یہ دوامی عادت بیان کی جاتی ہے کہ انہ[2] کان اذا تکلم بکلمۃ اعادھا ثلثاً۔ غالباً اس میں بھی زیادہ تر دخل اسی مقصد کو تھا، نفل کے متعلق مشہور حدیث ہے کہ ایک صاحب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے نماز پڑھ رہے تھے، نماز کے تمام ارکان یعنی قیام رکوع و سجود میں کوئی کمی نہیں کی تھی، صرف ذرا عجلت اور جلد بازی سے کام لے رہے تھے، مگر نماز سے جب وہ فارغ ہوئے تو وہ یہ سن رہے تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم صلِّ فانّک لم تُصلِّ (پھر نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی) ارشاد فرما رہے ہیں۔ انہوں نے

---

[1] ایمان لایا میں اس کتاب پر جو تو نے اتاری اور اس نبی پر جسے تو نے بھیجا ۱۲ [2] جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کوئی بات کرتے تو اس کو تین دفعہ دہراتے ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر نماز دہرائی، لیکن اب بھی اس میں وہ وقار اور طمانیت نہیں پیدا ہوئی تھی جس سے صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ (ٹھیک اسی طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو) کے حکم کی تعمیل ہوتی۔ الغرض تیسری بار سمجھانے کے بعد انہوں نے اپنی نماز جیسی کہ چاہیے ادا کی۔ نماز میں سکینت و اطمینان کی حیثیت اکثر فقہاء امصار کے نزدیک فرض و واجب کی نہیں ہے، لیکن جن لوگوں کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی پوری زندگی، اس کے ہر پہلو، ظاہر و باطن، اندر اور باہر کا مورخ بنانا چاہتے تھے، ان پر آپ ان معاملات کے متعلق بھی پوری نگرانی رکھتے تھے۔ کیا دنیا میں کوئی ایسی تاریخ بھی موجود ہے جس نے اپنے مورخین کی اور راویوں کے بیان و ادا کی خود نگرانی کی ہو، اور ایسی سخت کڑی نگرانی؟

تدوین حدیث کے قدرتی عوامل | تدوین حدیث کے سلسلہ میں جن امور کی تعبیر میں نے غیر معمولی خاص قدرتی عوامل سے کی ہے، اور عام تاریخی سرمایہ تاریخ کے اس حصہ کے لیے جن بنیادوں پر میں متیاز کا مدعی ہوں، اس کے ٹھوس اور خصوصی اسباب تو یہ تھے۔ لیکن خصوصیتوں کا یہ قصہ ان ہی پر ختم نہیں ہو جاتا جن بزرگوں کے ہاتھوں علم کے اس حیرت انگیز ایوان کی تعمیر ہوئی، ابھی ان کی اور بھی چند باتیں قابل لحاظ ہیں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ ان تمام ذمہ داریوں کے ساتھ جن کا ذکر آپ سن چکے، قرآن اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ دعوت جو شاعرانہ زبان میں نہیں بلکہ فی الحقیقت مولینا حالی مرحوم کی اس بلیغ تعبیر کی صحیح تصویر تھی:۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی — عرب کی زمین جس نے ساری ہلا دی
اک آواز میں سوتی بستی جگا دی — نئی اک لگن سب کے دل میں لگا دی

اس نے صحابہ کرام کی ذہنی قوتوں، اور عملی توانائیوں میں نئی زندگی کی روح بھر کر ان میں ایسی ہلچل پیدا کر دی تھی کہ بقول گاڈفرے ہگنس، "عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے پیغام نے وہ نشہ آپ کے پیروؤں میں پیدا کر دیا تھا جس کو عیسیٰ کے ابتدائی پیرودں میں تلاش کرنا بے سود ہے۔"

اور میں تو کہتا ہوں کہ عیسائی ہی نہیں بلکہ دنیا کو چاہیئے کہ یہ یاد رکھے کہ اس نشہ کی نظیر نہ اس کے پہلے دیکھی گئی اور نہ اس کے بعد دیکھی جا سکتی ہے۔ عروہ بن مسعود ثقفی نے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کو صحابہ کرام کے اس نشہ کی خبر کتنے صحیح الفاظ میں دی تھی :-

ای قوم واللہ لقد وفدت علی الملوک ووفدت علی قیصر وکسریٰ والنجاشی واللہ ان رأیتُ ملکاً قط یعظمہ اصحابہ ما یعظم اصحاب محمدٍ محمداً واللہ ان تنخم نخامۃ اِلّا وقعت فی کف رجل منہم فدلک بہا وجہہ وجلدہ واذا امرہم ابتدروا امرہ واذا توضأ کادوا یقتتلون علی وضوءہ واذا تکلم خفضوا اصواتہم عندہ وما یحدون الیہ النظر تعظیماً لہ (بخاری)[1]

لوگو! خدا کی قسم مجھے بادشاہوں کے دربار میں بھی باریابی کا موقعہ ملا ہے قیصر (روم) کسریٰ (ایران) نجاشی (ابی سینیا) کے سامنے حاضر ہوا ہوں قسم خدا کی میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا جس کی لوگ اتنی عظمت کرتے ہوں جتنی محمد کے ساتھی محمد کی کرتے ہیں۔ قسم خدا کی جب وہ بلغم تھوکتے ہیں تو نہیں گرتا ہے وہ لیکن ان کے ساتھیوں میں سے کسی آدمی کے ہاتھ میں پھر وہ اپنے چہرہ اور اپنے بدن پر اسے مل لیتا ہے۔ (محمد) جب کسی بات کا انہیں حکم دیتے ہیں اس کی تعمیل کی طرف وہ جھپٹ پڑتے ہیں، جب محمد وضو کرتے ہیں تو اس وقت ان کے وضو کے پانی پر آپس میں الجھ پڑتے ہیں، جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

---

[1] اس حدیث کے مختلف فقرے صحاح کی کتابوں اور سیرت کی کتابوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بات کرتے ہیں تو ان کی آوازیں پست ہو جاتی
ہیں، محمد کو نگاہ بھر کر ان کی عظمت کی وجہ سے
وہ نہیں دیکھ سکتے۔

یہ دوست کی نہیں، بلکہ ایک دانا دشمن کی شہادت ہے۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس جماعت کے نشہ کا یہ حال ہو، جو احکام و اوامر تو بڑی چیزیں ہیں تھوک اور وضو کے غسالہ تک کو اپنے اندر پیوست کرتے تھے، اور ایک دوسرے پر سبقت کرنے میں گویا باہم الجھ پڑتے تھے، ایک ایک موئے مبارک کے متعلق یہ حال تھا کہ بخاری میں ہے کہ حضرت عبیدہ تابعی جنہیں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ خادم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک موئے مبارک ہاتھ آگیا تھا، فرماتے

لأن تكون عندي شعرة منها احب الى من الدنيا وما فيها۔ — میرے پاس کسی بال کا ہونا اس سے زیادہ محبوب ہے کہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ سب کچھ میرے یہاں ہو۔

جن لوگوں کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس قسم کا ہو، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ کی "زندگی" جس کے خدا کی طرف سے بھی وہ محافظ اور مبلغ قرار دیئے گئے تھے، سوچنا چاہیئے کہ ان ہی لوگوں نے اس "زندگی" کی نگہداشت میں کس اہتمام کس انہماک اور توجہ سے کام لیا ہوگا۔ ایک ایک موئے مبارک بھی جن کے نزدیک دنیا و ما فیہا سے زیادہ محبوب تھا، ان ہی کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی غور کرنا چاہیئے کہ کیا قیمت تھی۔

اب ایک طرف حضرات صحابہ کرام کے ان جذباتی طوفانوں کو اپنے سامنے رکھئے، اور اسی کے ساتھ اس پر بھی غور کیجیے کہ جس عہد میں اس "تاریخ" کی حفاظت و اشاعت کی ذمہ داری قدرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی جانب سے انہیں سپرد ہوئی تھی، اس زمانہ میں ان کے پاس کسی قسم کا کوئی دماغی مشغلہ قرآن مجید کے سوا موجود نہ تھا۔ عرب جاہلیت کی تاریخ ہم سب کے سامنے ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اس حیرت انگیز مدہش اچانک دماغی بیداری کے زمانہ سے پہلے وہ اور ان کا ملک تقریباً ان عام علمی اور ذہنی مشغلوں سے مفلس تھا جن کا چرچا عموماً حضارت و تمدن کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگرچہ میں اس کا تو قائل نہیں جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ عرب کے ایام جاہلیت کا یہ مطلب ہے کہ ان کی حالت ہندوستانی بھیلوں اور گونڈوں کی تھی۔ نہ صرف قریش بلکہ اور بھی دوسرے قبائل کے صحیح حالات سے جو واقف ہیں وہ ایک سکنڈ کے لئے یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے۔ بلکہ جیسا کہ عنقریب آپ کے سامنے اس کی تفصیل آئے گی، "جاہلیت" کا یہ ترجمہ کہ وہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے عربی زبان اور قرآن مجید کے عام محاوروں کے خلاف ہے۔ عربوں کی جہالت کا جو یہ مطلب سمجھتا ہے، وہ دراصل واقعات سے جاہل ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ لکھنے پڑھنے کے سلسلہ میں عرب کا بھی اس زمانہ میں تقریباً وہی حال تھا جو عموماً اس زمانہ میں اگر کامل متمدن ممالک نہیں تو نیم متمدن ممالک کا تھا۔ یعنی جس طرح قدیم زمانہ میں تقریباً ہر ملک اور قوم میں لکھنے پڑھنے والوں کا ایک خاص پیشہ ور طبقہ ہوتا تھا اور عام پبلک کو اس سے چنداں تعلق نہیں تھا، نہ اس کی اتنی اہمیت تھی، کسی ملک میں پادریوں، کسی میں موبدوں، کسی میں برہمنوں، الغرض اسی قسم کے لوگوں کے ساتھ یہ کام مخصوص تھا، اگر بالکلیہ نہیں تو قریب قریب عرب کا بھی یہی حال تھا۔ آئندہ یہ بتایا جائے گا کہ عرب میں بھی ایک خاصی تعداد خواندوں اور نویسندوں کی تھی۔ نہ صرف مرد بلکہ ایام جاہلیت میں بھی بعض لکھی پڑھی عورتیں پائی جاتی تھیں۔ شرفا ہی نہیں بلکہ غلاموں میں بھی ایسے افراد موجود تھے، میں اپنے اسی دعوے کی تھوڑی بہت تفصیل آگے بھی کروں گا۔ لیکن بایں ہمہ یہ بھی صحیح ہے کہ معمولی نوشت و خواند جو چند گنے چنے لوگوں تک محدود تھی، اس سے آگے عربوں کی ذہنی اور دماغی قوتوں کے لئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس زمانہ میں کوئی خاص اہم خوراک موجود نہ تھی۔ اور تھوڑی بہت اگر کچھ تھی بھی تو وہ بہت ادنیٰ درجہ کی تھی۔ ان کا سب سے بڑا دماغی مشغلہ شعر و شاعری کا تھا، یا باہم ایک دوسرے پر تفاخر کے لئے یا توہین کے لئے۔ وہ انساب کے علم سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ اور بھی ابتدائی نوعیت کی کچھ فنی چیزیں معدودے چند افراد کے پاس تھیں۔ لیکن اسلام نے شریفانہ کردار کا جو معیار مقرر کیا تھا اس میں گانے بجانے، رقص و سرود، مے نوشی، مفاخرت یا مشاجرت وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں رکھی تھی۔ ان کی خمری و فخری فحش و مبالغہ والی شاعری کی بھی اس نے کوئی حوصلہ افزائی نہیں کی تھی۔ ایک طرف عربوں کی ذہنی اور علمی بھوک کی وہ شدت، اور دوسری طرف یوں ہی ان کے ملک کا دماغی مشغلوں سے خالی ہونا، چند بچی کھچی ادنیٰ درجہ کی کچھ غذائیں جو ان کے پاس موجود تھیں ان کا بھی ان کے سامنے سے سمٹ جانا، اور سب کو ہٹا کر اس شدید دماغی تشنگی کے وقت میں ان کے سامنے صرف قرآن اور مبلغ قرآن صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا علم اور فن کے رنگ میں پیش ہونا اور اسی کی کمی بیشی پر سوسائٹی میں افراد کے مدارج کا قدرتاً مقرر ہو جانا، غور کرنے کی بات ہے کہ ایسے ماحول میں ہر چیز سے ٹوٹ کر ہمہ تن ان ہی دو چیزوں میں اگر وہ ڈوب گئے تھے تو آپ ہی اندازہ کیجئے کہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ ایسی حالت میں یقیناً یہی ہو سکتا تھا اور یہی ہو کر رہا۔

بلکہ اسی کے ساتھ ہم جب اس واقعہ کو بھی ملا لیتے ہیں کہ فاقہ کش غریب اور مفلس عرب جو اپنے ملک کے خاص حالات کے لحاظ سے ایام جاہلیت میں معاشی حیثیت سے انتہائی سخت کوشیوں کا شکار بنا ہوا تھا، تعیش و رفاہیت کی زندگی کا تو کیا ذکر ہے، ضروری معاشی رسد کی تکمیل میں بھی ان کو آسمان و زمین کے قلابے ملانے پڑتے تھے، ساری عمر عرب کے چٹیل ریگستانی اور سنگستانی صحراؤں میں بیچارے صرف اس لئے دوڑتے پھرتے تھے کہ دو وقت کی خشک روٹی خواہ کسی شکل میں ہو مل جائے اور وہ بھی بمشکل میسر آتی تھی، لیکن اسلام نے ایک طرف ان کے باطنی قویٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ذہنی طلب میں یہ طوفان برپا کیا، دوسری طرف پندرہ بیس سال کی مدت میں جسمانی اور معاشی مطالبوں کے لیے رسد کا ایک ایسا بحر تھا، سمندر سا ن کے اس غیر آباد، قلیل التعداد ملک میں ٹھاٹھیں مارنے لگا کہ سچ یہ ہے کہ اس کی نظیر بھی عرب کے آسمانوں نے نہ اس سے پہلے دیکھی تھی، اور نہ آج تک پھر وہ تماشا دیکھنا اسے نصیب ہوا۔ ان خزائن اور دفائن، غنائم اور نفل کے سوا جو قرناً قرن سے کسریٰ ایران کے خزانے میں جمع ہو رہے تھے، یا وہ دولت جو زمین فرعون (مصر) سے یا ارض شام سے آئی تھی، ستون فی ستین (یعنی ساٹھ گز لمبا ساٹھ گز چوڑا) والا جواہر نگار بہار نامی ایرانی غالیچہ جس کے تمام نقش و نگار جن کا تعلق مختلف مناظر اور موسموں سے تھا انمول جواہرات کے ذریعہ سے کاڑھے گئے تھے، کسریٰ کا وہ مرصع تاج جو اپنے قیمتی اور وزنی پتھروں کی وجہ سے بجائے سر پر رکھنے کے سونے کی زنجیر سے لٹکا دیا جاتا تھا اور کج کلاہ ایران اسی میں اپنا سر داخل کر دیتا تھا، کھجوروں کے تنہ پر مدینہ میں جو مسجد کھڑی تھی اس میں یکے بعد دیگرے یہ سب کچھ ہر طرف سے چلا آ رہا تھا۔ خوراک کی رسد کا یہ حال تھا کہ عام رمادہ کے قحط میں حضرت عمرؓ نے مصر کے والی عمرو بن عاص کو غلہ کے لیے جب لکھا تو انہوں نے جواب دیا کہ اونٹوں کی ایسی قطار غلہ سے لاد کر پایۂ تخت خلافت میں بھیجتا ہوں جس کا پہلا اونٹ مدینہ میں ہوگا اور آخری اونٹ کی دم میرے ہاتھ میں ہو گی۔ یہ سب تو وقتی دولت تھی، اصل چیز دیکھنے کی یہ ہے کہ دس پندرہ سال کے عرصہ میں حجاز، یمن، یمامہ، بحرین، عراق، شام، مصر کے لاکھوں مربع میل کے جو علاقے فتح ہوئے، جن میں بجز حجاز کے تقریباً اکثر حصہ صرف ثروت و دولت کا بے پناہ سرچشمہ تھا، مصر سے پہلا خط عمرو بن العاص کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام آیا تھا کہ ایک ایسی زمین پر خدا نے قبضہ دلایا ہے جو اچانک موتی کی طرح سفید اور پھر عنبر کی مانند سیاہ اور اسی کے بعد ہیرے کے مانند سرسبز ہو جاتی ہے۔ ان سارے علاقوں کا ایک بڑا حصہ اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جاگیروں پر تقسیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کردیا گیا تھا۔ کون اندازہ کرسکتا ہے کہ اموال غنیمت کے حصّوں کے ساتھ ساتھ ہر صحابی کے گھر میں سالانہ کتنی دولت ان جاگیروں سے آتی تھی۔ تاریخوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ ذہبی نے لکھا ہے کہ عہد فاروقی تک پہونچتے پہونچتے مدینہ کے بازار کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ عہد نبوت میں جس گدھے کی قیمت پندرہ درہم تھی، اب وہ پندرہ سو میں ملتا تھا۔ بخاری کی مشہور روایت ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غابہ کی زمین جو مدینہ کے پاس ہے کل ایک لاکھ ستر ہزار درہم میں مول لی تھی، لیکن ان کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے جب فروخت فرمایا تو اس کی قیمت سولہ لاکھ ملی تھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ جو اپنی داد و دہش کی وجہ سے مرنے کے وقت ایک پیسہ نہ چھوڑ سکے، لیکن مکانات اور زمین کی شکل میں جو ان کی جائداد تھی اس کی قیمت جیساکہ بخاری میں ہے پچاس کروڑ دو لاکھ لگائی گئی تھی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے انتقال کے وقت جو ترکہ چھوڑا اس کا حساب تو بہت طویل ہے، لیکن فراخی و فراغبالی کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اپنے ثلث مال سے انہوں نے وصیت کی تھی کہ ہر بدری صحابی کو (جن کی تعداد اس وقت تقریباً ایک سو کے قریب رہ گئی تھی) چار چار سو دینار دیئے جائیں۔ صحابہ اور صحابہ کی اولاد جو دہی عرب تھے جن کے پاس ہزار کے اوپر عدد کے لئے کوئی لفظ ہی نہ تھا، لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں ایک ایک وقت میں صرف خیرات کرتی تھی، یا اپنے ملنے جلنے والے احباب و اعزہ کو دے ڈالتی تھی۔ عام تاریخی کتابوں میں بہ کثرت ان کی داد و دہش کے واقعات کا ذکر ہے۔ بخوف طوالت ان کی تفصیل ترک کی جاتی ہے

بہرحال مجھے حدیث کے ابتدائی رواۃ یا اس تاریخ کے ابتدائی مورخین کی دولت اور آمدنی کی تفصیل مقصود نہیں ہے بلکہ صرف یہ دکھانا ہے کہ گزشتہ بالا حالات کے ساتھ جب ان کی معاشی فراغبالی کو بھی پیش نظر رکھا جائے اور پھر سوچا جائے کہ علم کی پیاس کی جو آگ ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے دل میں لگائی گئی تھی اس کی تسکین کے لئے ان کے پاس کتنے وسیع مواقع قدرت نے مہیا کر دیئے تھے۔ ہو سکتا تھا اور تھوڑے دنوں بعد ہو بھی گیا کہ مال و دولت کی اس فراوانی نے ان ہی صحابیوں کی دوسری اور تیسری پشت میں ان امیرانہ مشاغل کو پیدا کر دیا جو اس کے لازمی نتائج ہیں۔ لیکن ہم جن لوگوں سے بحث کر رہے ہیں ان میں ایک ایسا روحانی اور اخلاقی انقلاب پیدا ہو چکا تھا کہ وہ اتنی آسانی کے ساتھ کردار کے اس بلند اسلامی معیار کو نہیں چھوڑ سکتے تھے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے ان میں پیدا کر دیا تھا۔ اور اس کی شہادت ان کی زندگی سے ملتی ہے۔ بجائے رنگ رلیوں کے ان کے مصارف وہی تھے جو اسلام نے ان کے لئے مقرر کئے تھے۔ ہر ایک نیکی کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت کرتا تھا۔ وہی عبدالرحمٰن بن عوف جن کا ذکر ابھی گذرا ا مشہور بات ہے کہ اپنے ذاتی روپے سے خرید خرید کر انہوں نے تقریباً تیس ہزار غلاموں کو آزاد کیا تھا۔ اور ازیں قبیل سب ہی کا یہی حال تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان میں اکثر خصوصاً جن کا زیادہ میلان تعلیم قرآن اور تدوین حدیث کی طرف تھا ان کی تمام جائداد اور مالی ذرائع کی نگرانی بھی قہرمانوں اور قیموں کے سپرد تھی، وہی وصول کرتے تھے اور وہی اس کا حساب کتاب رکھتے تھے۔ ان بزرگوں کو اپنے کام کے سوا اور کسی بات سے کوئی سروکار نہ تھا۔ حضرت ابن عباس جو ترجمان القرآن حبر الامۃ وغیرہ عالمانہ القاب سے ملقب ہیں اور تدوین حدیث میں ان کا بھی بڑا حصہ ہے، ان کے ایک بھائی عبیداللہ کی طبیعت کا میلان توجہ و سخا کی طرف تھا کہا جاتا ہے کہ معمولی معمولی باتوں پر ہزاروں روپے لوگوں کو دے دیتے تھے ایک شخص نے ان سے

ا؎ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں روایت درج کی ہے کہ فارس کے غنائم، جن میں الجواہر و اللؤلؤ والذہب والفضۃ کی کثیر مقدار تھی، حضرت عمر کے سامنے جب ان کا ڈھیر لگایا گیا تو رونے لگے اور فرمایا کہ جس قوم کو یہ چیزیں ملیں بالآخر ان میں بغض و عداوت کا پیدا ہونا ضرور ہے ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آکر کہا کہ تم پر میرا حق ہے، بولے کیا؟ اس نے کہا کہ تم چاہ زمزم پر پانی پی رہے تھے، چہرہ پر دھوپ پڑ رہی تھی، میں نے اپنی چادر سے سایہ کر دیا تھا، بولے ہاں تیرا احسان یاد ہے، قیمؔ (داروغہ) کو آواز دی، پوچھا تیری تحویل میں اس وقت کتنی رقم ہے؟ دس ہزار درہم نقرئی اور دو سو طلائی دینار ہیں، اس نے جواب دیا۔ حضرت عبید اللہ نے حکم دیا سب اس شخص کو دے دو۔ اور یہ ان کا عام حال تھا، لیکن وہی دولت جسے عبید اللہ اس طریقہ سے خرچ کرتے تھے، ان کے بڑے بھائی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم کی نشر و اشاعت پر صرف فرماتے تھے۔ بخاری میں ان کے مشہور شاگرد ابو جمرہ سے مروی ہے کہ صرف اس لیے تاکہ ابن عباس کی آواز[1] دوسروں تک وہ پہونچایا کریں حضرت نے اپنی آمدنی کا ایک حصہ ابو جمرہ کے لیے مخصوص فرما دیا تھا۔ اور یہ حال تو اس وقت کا ہے جب مسند درس پر جلوہ فرما ہو چکے تھے، لیکن یہی ابن عباس باوجود اس ثروت و دولت کے اپنے طلب حدیث کے دنوں کو یاد کر کے فرماتے:۔

كنت لآتي الرجل في الحديث يبلغني
انه سمعه من رسول الله
صلى الله عليه وسلم فاجده
قائلا فاتوسد ردائي على بابه
تسفي الريح التراب على وجهي
حتى يخرج فاذا خرج قال يا
ابن رسول الله صلى الله عليه

حدیث کی طلب میں میں کسی ایسے آدمی کے پاس جاتا جن
کے متعلق مجھے خبر ملتی کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے، اور پاتا کہ وہ دوپہر میں
آرام کر رہے ہیں، تو اپنی چادر کو تکیہ بنا کر ان کے
دروازے پر پڑ جاتا، ہوائیں دھول اڑا اڑا کر
میرے چہرے پر ڈالتیں، اور میں اسی حال میں
پڑا رہتا، تا آں کہ خود وہ صاحب باہر نکل آتے،

---

[1] بعضوں کا خیال یہ بھی ہے کہ ابو جمرہ چونکہ فارسی جانتے تھے اس لیے حضرت ابن عباس کی باتوں کا ترجمہ عربی نہ جاننے والوں کو سنا دیا کرتے تھے۔ ممکن ہے کہ دونوں کام کرتے ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وسلم مالك فاقول بلغنى حديثا عنك انك تحدثه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فاحببت ان اسمعه منك فيقول هلا بعثت الى حتى آتيك فاقول انا احق اليك۔

(دارمی)

باہر نکل کر (جب مجھے دیکھتے) تو کہتے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے آپ کہاں تشریف لائے ہیں، میں کہتا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے تم کوئی حدیث روایت کرتے ہو، میں نے چاہا کہ اس حدیث کو تم سے سنوں، جواب میں وہ صاحب کہتے، آپ کسی کو بھیج دیئے ہوتے، میں خود حاضر ہو جاتا، میں کہتا کہ تمہارے پاس حاضر ہونے کا مستحق میں ہوں۔

صحابہ کرام اور ان کے تلامذہ، تابعین، تبع تابعین، نیز دوسرے ائمہ اور بزرگوں نے اس فن کی تدوین میں کیا کیا مشقتیں برداشت کی ہیں، ان کا تفصیلی ذکر آگے آرہا ہے۔ اس مثال کے پیش کرنے کی غرض اس وقت صرف یہ تھی کہ دولت و امارت نے ان کو امیرانہ چونچلوں میں الجھا نہیں دیا تھا بلکہ ان میں کتنے ایسے تھے جن کی آمدنی کا اکثر حصہ اسی علم کی خدمت میں صرف ہوتا تھا۔ مردوں ہی میں نہیں بلکہ عورتوں میں بھی اس علمی ولولہ کی یہ کیفیت تھی کہ معمولی معمولی عورتیں محض اس لئے کہ ان کا بچہ فن حدیث کا عالم ہو جائے، ہزار ہا روپے خرچ کر ڈالتی تھیں۔ اس موقع پر عہد صحابہ کا قصہ یاد آیا کہ فرخ نامی ایک معمولی آدمی تھے، آزاد شدہ غلاموں کے طبقہ سے ان کا تعلق تھا، غالباً فوج میں ملازم تھے لیکن اس وقت مدینہ کی دولت کا یہ حال تھا کہ ادنی ادنی غلام سپاہی بھی تیس تیس چالیس ہزار دینار طلائی سکہ پس انداز کر سکتا تھا تقریباً سیر کی اکثر کتابوں میں یہ واقعہ درج ہے کہ اپنا سارا اندوختہ بیوی کو سپرد کر کے وہ کسی نوکری پر طویل مدت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لئے باہر چلے گئے، پندرہ بیس سال کے بعد واپسی ہوئی، جس وقت جا رہے تھے ان کی بیوی حاملہ تھیں پیچھے لڑکا پیدا ہوا، نام ربیعہ رکھا گیا، اس نیک دل خاتون کے علمی ذوق کا حال سنئے کہ انہوں نے شوہر کے سارے اندوختہ کو بچے کی تعلیم و تربیت پر ختم کر دیا، اور اس زمانہ کی تعلیم کیا تھی؟ یہی قرآن وحدیث کی خدمت۔ فروخ جب گھر واپس ہوئے تو لڑکا جوان ہو کر نہ صرف عالم بلکہ مسجد نبوی کے حلقہائے درس کے ایک ممتاز ترین معلم کی حیثیت حاصل کر چکا تھا امام مالک، امام اوزاعی، سفیان ثوری جیسے لوگ جنہیں بعد کو امت میں امامت کا منصب عطا ہوا، وہ ان کے شاگردوں میں شریک تھے، فروخ باہر سے بھی چار یا پانچ ہزار روپیہ کما کر لائے تھے، دو تین دن کے بعد بیوی سے اپنے گذشتہ پس انداز کا حساب دریافت کیا، بولیں کہ سب کو میں نے گاڑ رکھا ہے، کچھ دم لے لو تو انہیں نکالوں، لیکن ذرا کل تم صبح کی نماز کے بعد مسجد نبوی کے حلقہائے درس میں گشت تو لگانا، دوسرے دن انہوں نے یہی کیا، ایک حلقہ میں پہنچے تو خدا کی قدرت نظر آئی کہ ان کے لڑکے کو چاروں طرف سے شاگردوں کا حلقہ گھیرے ہوئے ہے، خوشی کے مارے پھولے نہ سمائے، گھر پہنچے اور بیوی سے حال بیان کیا، بیوی نے کہا کہو روپیہ لینا چاہتے ہو یا ایسا عالم لڑکا، میں نے تمہارے روپے اسی کی تعلیم پر خرچ کر دیئے، فروخ نے اپنی بیوی کے فعل کی تحسین کی۔

علم حدیث کی تفصیل و تدوین اشاعت و نشر میں عہد صحابہ اور اس کے بعد لوگوں نے کتنی حیرت انگیز مالی قربانیاں کی ہیں اس کے لئے ایک مستقل مقالہ کی ضرورت ہے میں اس وقت صرف دماغوں کو ادھر متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ منجملہ دیگر اسباب کے عہد صحابہ کی معاشی فراخبالی کو بھی دنیا کی تاریخ کے اس عجیب حصہ کی حفاظت میں غیر معمولی دخل ہے۔ اور یہ سچ بھی ہے کہ جو کام سے

دو یار زیرک و از بادۂ کہن دو منے فراغتے و کتابے و گوشہ چمنے

کے ماحول میں انجام پا سکتا ہے، جو خورد باد فرزندم کے سوال کے ہتھوڑوں سے چور دلوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں بجز خاص استثنائی صورتوں کے عموماً ایسے پراگندہ روزدل سے پراگندہ دماغی ہی کی توقع کی جاسکتی ہے۔

خصوصاً جو واقعہ خاص اس علم کے ساتھ پیش آیا ہے، اس کے لئے تو یہ ہونا زیادہ ضروری تھا۔ کیونکہ چند گنتے گنائے آدمیوں سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو استثنائی قانون کا ممکن تھا کہ ظہور ہوتا۔ لیکن آپ کو آئندہ معلوم ہوگا کہ تاریخ کے اس بسیط اور مختصر حصہ کے بیان کرنے والوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ اب تک حدیث کے ابتدائی راویوں، یعنی صحابہ کرام کے کیفی حالات وخصوصیات سے میں بحث کر رہا تھا، لیکن اس تاریخ کے مورخوں کا جو مقداری امتیاز ہے، میرے خیال میں تدوین کے "قدرتی عوامل" میں غور و فکر کے لئے ان کو بھی کچھ کم اہمیت حاصل نہیں ہے، بلکہ ایک لحاظ سے تو یہ اس فن کی ایک ایسی امتیازی شان ہے جس کی نظیر فن تاریخ ہی میں نہیں دوسرے علوم میں بھی بہ مشکل مل سکتی ہے۔ ڈاکٹر اشپرنگر کا یہ مشہور فقرہ کہ "کوئی قوم دنیا میں نہ ایسی گذری نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا سا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے"

اسماء الرجال اور اس کی ضرورت کی تفصیل تو آگے آئے گی، میں اس وقت آپ کی توجہ اس "تاریخ" کے اساسی مورخوں کی تعداد اور ان کی مختلف نوعیتوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

حدیث کے ابتدائی راویوں کی تعداد | غور کیجئے! انصاف سے کہنا چاہئے کہ علمی دنیا کے ہاتھ میں آج تاریخ کا جتنا کچھ بھی سرمایہ ہے، وہی جس کی تعلیم وتعلم پر جامعات اور یونیورسٹیوں میں، اور نشر و اشاعت و تدوین و ترتیب پر تصنیف گاہوں اور مطابع و اشاعتی اداروں میں، حکومتوں اور عام پبلک کی جانب سے بلا مبالغہ ہر سال کروڑہا کروڑ روپے صرف ہو رہے ہیں، اور ان تمام مصارف کا شمار بہترین علمی خدمتوں میں ہے اور بلاشبہہ یہ بہت بڑی علمی خدمت ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن تھوڑی دیر کے لئے اپنے اس علمی وفنی سرمایہ کا جائزہ لیجئے قدیم ہو یا جدید، تاریخ کے کسی حصہ پر اس حیثیت سے نظر ڈالئے کہ ابتداء میں ان واقعات کے بیان کرنے والوں، یا ان کو ریکارڈ کرنے والوں کی تعداد کیا تھی؟ قطع نظر اس سے جیسا کہ میں نے شروع میں کہا تھا کہ واقعات کے عینی شاہدوں کا ان تاریخوں میں بجائے خود ایک پیچیدہ ترین سوال ہے، بالغرض اگر خوش قسمتی سے تاریخ کا کوئی حصہ ایسا مل بھی جائے جسے ہم خود چشم دید گواہوں کا بیان قرار دے سکتے ہوں، اور اسی کے ساتھ یہ بھی مان لیا جائے کہ ہمیں ان کی دماغی اور اخلاقی منزلت کا بھی کسی نہ کسی ذریعہ سے علم حاصل ہو گیا ہو، اگرچہ جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ کوئی آسان مرحلہ نہیں ہے، تاہم مان لیجئے کہ اس میں کامیابی ہو بھی جائے، پھر بھی جہاں تک میرے معلومات ہیں اور میرا اندازہ ہے ان تاریخوں کے ابتدائی راویوں کی تعداد بمشکل ایک دو سے آگے متجاوز ہو سکتی ہے۔ آخر ہماری تاریخوں کی آج جو کچھ بھی بنیاد ہے وہ کوئی پرانے زمانے کی کسی پرانے مصنف کی کوئی یادگار، پرانی قبروں کا کوئی کتابہ، پرانے سکوں کے ٹھپے، پرانے کھنڈروں کی کوئی سنگی یا برنجی تختی، یا ازیں قبیل کوئی اور چیز ہے۔ یقینی سے یقینی ترچیز کسی شخص کی ذاتی خود نوشت سوانح عمری ہو سکتی ہے۔ اس احتمال کے سوا کہ اس قسم کی بیوگرافیاں کیا موجودہ زمانہ کے مینوفسٹی بیانات نہیں ہو سکتیں، اور مان لیا جائے کہ ان میں گفتنی کے ساتھ تمام ناگفتنیوں کے اندراج کا بھی التزام کیا گیا ہو یا یوں کہئے کہ صاحب شعر و دیوان ہونے کی حیثیت کے ساتھ محلہ[1] والوں کے معلومات بھی اس میں بیان کر دئے گئے ہوں، لیکن ان سب سے بھی اگر قطع نظر کر لیا جائے تو جب بھی اس یقینی ترین تاریخی سرمایہ و خود نوشت سوانح عمری کی حیثیت ایک شخصی بیان ہی کی ہو سکتی ہے۔ اخلاقی اطمینان کے باوجود ایک شخصی دماغ

---

[1] یہ اکبر مرحوم کے مشہور شعر سے اکبر کی حقیقت کو تم کچھ پوچھو محلے والوں سے ہاں شعر تو اچھا کہتے ہیں دیوان تو انکا دیکھا ہے کی طرف تلمیح ہے ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر نسیان و ذہول، بھول چوک کی راہیں جتنی کھلی ہوئی ہیں، ظاہر ہے۔

لیکن اب آیئے، تاریخ کے ایک اس نادرۂ روزگار حصہ پر نظر ڈالیے جس کا نام "حدیث" ہے۔ جن چشم دید گواہوں اور عینی شاہدوں کے بیانات سے یہ "واقعات" حاصل کیے گئے ہیں، ان کی تعداد کیا تھی؟ ابھی سلسلہ روایت کے بعد کی کڑیوں سے بحث نہیں، بلکہ آپ کے سامنے اس کا صرف پہلا حلقہ یعنی ان لوگوں کا سوال ہے جو خود اس واقعہ میں شریک تھے۔ انہوں نے اس کو دیکھا اور اس نظر سے دیکھا جس سے ہر معمولی واقعہ نہیں دیکھا جاتا، بلکہ ایک امتی جس نظر سے اپنے پیغمبر کو، یا ایک مرید اپنے پیر کو، یا صاف لفظوں میں کہئے، محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عجیب وغریب صحابیوں نے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ دیکھنے کے بھی وہ ذمہ دار تھے اور بیان کرنے کے بھی ذمہ دار تھے، جانتے ہیں کہ ان کی تعداد کیا تھی؟ علی بن ابی زرعہ جو فن رجال کے بڑے مشہور ائمہ میں ہیں ان سے یہی سوال پوچھا گیا، جواب میں انہوں نے فرمایا:۔

توفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن راٰہ وسمع منہ زیادۃ علی مائۃ الف انسان من رجل وامرأۃ کلھم قد روی عنہ سماعا ورؤیۃ۔ (اصابہ ص۳ ج ۱)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، اس وقت ان لوگوں کی تعداد جنہوں نے حضور کو دیکھا اور آپ سے سنا تھا ایک لاکھ سے زیادہ تھی۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی سب حضور سے سن کر اور دیکھ کر روایت کرتے تھے۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ابن ابی زرعہ نے یہ صحابیوں کی تعداد نہیں بتائی ہے، بلکہ ان خاص اصحاب کی تعداد ہے جنہوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور دیکھنے کے بعد آپ کے متعلق کوئی نہ کوئی بات روایت کی ہے۔ "حدیث" تاریخ کے جس حصہ کی تعبیر ہے، اس کے ابتدائی رواۃ کی یہ تعداد کیا کوئی معمولی بات ہے؟ عموماً اس کو سن لیا جاتا ہے اور لوگ گذر جاتے ہیں۔ لیکن مقابلہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے بات سمجھ میں آتی ہے۔ ایک طرف آپ کے سامنے تاریخ کا وہ ذخیرہ ہے جس کے ابتدائی راویوں کا حال اگر معلوم بھی ہو سکتا ہے تو ان کی تعداد دو تین سے آگے بمشکل متجاوز ہو سکتی ہے۔ اور بیچاری ایک تاریخ کیا بڑے بڑے مذہبی مستندات جن کے بھروسہ پر آج کروڑہا کروڑ انسان ایمانی زندگی بسر کر رہے ہیں، زیادہ تر ان کا بھی یہی حال ہے۔ خیال تو کیجئے کہ کہاں ایک لوقا، ایک مرقس یا ایک سنجے گاڑی بان کا بیان[1]، اور کہاں یہ ایک لاکھ سے اوپر چشم دید گواہوں کی شہادتیں۔ پھر یہ بھی تو دیکھنا چاہیئے کہ عام تاریخی واقعات جیسا کہ پہلے بھی کہہ چکا ہوں پراگندہ اور منتشر کثرتوں کا مجموعہ ہے اور ان بکھری ہوئی کثرتوں کے سمیٹنے والے صرف ایک دو ہیں۔ ادھر ایک شخصی ذات محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے اور ان کی سچی اور ہو بہو جیسے کہ وہ تھے، تصویر اتارنے کے لئے اردگرد لاکھوں زندہ آنکھوں کے کیمرے قدرت کی جانب سے کھڑے کئے گئے ہیں۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

راویوں کی تعدادی مقدار کے روایت پر کیا کیا اثرات مرتب ہو سکتے ہیں؟ بادنیٰ تامل ہم اسے سمجھ سکتے ہیں۔

کثرت تعداد کا رواتیوں کی ثقاقت پر اثر سب سے پہلی بات تو یہی ہے، ایک یا دو آدمی سے ظاہر ہے کہ اتنے واقعات کا احاطہ یقیناً ناممکن ہے جو مشاہدہ کرنے والوں کی کثرت کی صورت میں ممکن ہے۔ پھر اسی کے ساتھ جب ہم اس کو بھی ملا لیتے ہیں کہ ان راویوں میں صرف مرد ہی نہیں بلکہ عورتوں کی بھی ایک بڑی جماعت شریک ہے تو احاطہ کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو جاتا ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مورخین صرف مرد ہوتے، تو اس کا یہ مطلب ہوتا کہ ہم تک حضور صلے اللہ علیہ وسلم

---

[1] مختلف انجیلوں کے مختلف ابتدائی راویوں کے نام ہیں اور سنجے اس گاڑی بان کا نام ہے، جو ہندوؤں کی مشہور کتاب "گیتا" کا سری کرشن سے تنہا راوی ہے، محض اسی کی روایت کی بنیاد پر ہندو گیتا کو گویا ایک قسم کی آسمانی کتاب سمجھتے ہیں ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی سیرت طیبہ کے محض وہی واقعات پہنچے ہیں جن کا تعلق گھر کے باہر کی زندگی سے ہے۔ لیکن بجائے جلوت کے خلوت یا گھریلو زندگی کے حالات پر یقیناً پردہ پڑا رہتا، اور ایسے بہت سے مسائل جن کا خصوصی تعلق صرف عورتوں سے ہے ان کے متعلق کوئی واضح ہدایت نامہ ہمارے پاس نہ ہوتا۔ لیکن کون نہیں جانتا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر پہلو، جلوت کا ہو یا خلوت کا، کسی کو راز میں نہیں رکھا گیا۔ راویوں کی کثرت اور ان کی ان مختلف نوعیتوں ہی کا نتیجہ ہے کہ دوست ہی نہیں، آج دشمن بھی اس کے اعتراف پر مجبور ہیں کہ:۔

"یہاں پورے دن کی روشنی ہے، جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے، اور ہر ایک تک وہ پہونچ سکتی ہے"۔

یہ باسورتھ اسمتھ کی شہادت ہے جس کا اظہار اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت (صفحہ ۱۵) میں کیا ہے۔ اور اسی کے ساتھ یہ نکتہ بھی اگر ملحوظ رکھا جائے کہ باہر میں ہو یا اندر میں! قدرت نے ایسے اسباب فراہم کر دیئے تھے کہ صحرائے عرب کے ایک دور افتادہ نخلستانی قصبہ میں تقریباً دنیا کے بڑے بڑے قابل ذکر مذاہب، یعنی بت پرستی، یہودیت، عیسائیت، مجوسیت کے ماننے والوں کو مسلمان کر کے حق تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارک میں پہونچا دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاحی و تکمیلی زد ین دنیا کے تمام مذاہب پر جو پڑ رہی تھیں اس کے سمجھنے کے لئے خود ان مذاہب کے جاننے والوں کی ضرورت تھی۔ اور قدرت نے اس کا بھی سامان کر دیا تھا باہر میں بھی اور اندر میں بھی، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے، اور عام طور پر لوگ اس سے واقف بھی ہیں۔ عملی طور پر ان عینی شاہدوں کی کثرت کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی تھا کہ قطع نظر اس سے کہ ایک واقعہ کے جب بہت سے دیکھنے والے ہوتے ہیں تو ہر ایک دوسرے کی تکذیب کے خیال سے عموماً غلط بیانی کرنے میں ہچکچاتا ہے۔ اگرچہ صحابہ کرام کے جن خصوصیات کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے ان کی بنا پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یوں بھی ان سے قصداً کسی غلط بیانی کی کون توقع کر سکتا ہے۔ لیکن جیسا کہ قرآن نے قانون شہادت کے ذکر کے سلسلہ میں بیان کیا ہے، ایک گواہ کے سمجھنے یا یاد رکھنے میں اگر کوئی غلطی ہوئی ہو تو دوسرا اس کی اصلاح کر سکتا ہے۔ حدیث کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ ایک موقعہ پر نہیں بلکہ متعدد مواقع اس قسم کے پیش آئے ہیں جہاں راویوں کی کثرت تعداد کی وجہ سے غلط فہمیوں کی اصلاح ہوئی ہے۔ میرا مضمون بہت طویل ہو جائے گا، ورنہ ان کے نظائر جن سے معمولی طلبہ تک واقف ہیں، یہاں پیش کرتا۔

ماسوا اس کے صحابی راویوں کی جو تعداد ابن ابی زرعہ کے حوالے سے میں نے اوپر نقل کی ہے ظاہر ہے کہ صحبت مبارک میں ان سب کا اجتماع ایک وقت میں نہیں ہوا تھا، اور نہ یہ ممکن تھا کہ ہر لمحہ یا ہر جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ یہ سارا مجمع رہتا۔ اگرچہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر تقریباً لاکھ سے اوپر صحابیوں کا مجمع جمع ہو گیا تھا۔ لیکن یہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے۔ ورنہ عموماً مدینہ منورہ میں جو تعداد صحابہ کی رہتی تھی، یا غزوات و اسفار میں جو لوگ آپ کے ساتھ ہوتے تھے، ان کی ظاہر ہے کہ اتنی تعداد کبھی اکٹھی نہیں ہوئی۔ بیس ہزار، دس ہزار، پانچ ہزار، تین ہزار، چار ہزار، یا اس سے نیچے کی تعداد فوجی مہموں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عموماً رہی ہے۔ اگرچہ مدینہ منورہ میں ابتداً انصار کے ساتھ مہاجرین کا ایک مختصر گروہ آپ کے ساتھ تھا لیکن جب وقت غزوۂ تبوک کا واقعہ پیش آیا ہے، کعب بن مالک جو اس سفر میں رفاقت سے محروم رہے تھے اور اس کا ایک دلچسپ واقعہ بخاری میں ان ہی کی زبانی منقول ہے اس میں مدینہ کے اصحاب کا ذکر فرماتے ہوئے آپ نے یہ جملہ فرمایا تھا۔

والناس کثیر لا یجمعہم دیوان — لوگ بکثرت تھے، کسی دفتر میں ان کی تعداد منضبط نہ تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہر حال مدینہ منورہ میں بالآخر اچھی خاصی جماعت باہر کے مہاجرین کی بھی جمع ہو گئی، لیکن ظاہر ہے کہ ان سب کو ہر وقت اپنے مختلف مشاغل کی وجہ سے مجلس مبارک میں حاضری میسر نہیں آتی تھی۔ کسی وقت کوئی رہتا تھا، کسی وقت کوئی۔ اب اگر راویوں کی تعداد دو چار پر ختم ہو جاتی، تو کیا وہ ذخیرہ جمع ہو سکتا تھا جو آج جمع ہوا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ گرد و پیش میں ان ہزاروں مردوں اور عورتوں کے رہنے آنے جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ایک کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے کسی نہ کسی واقعہ یا کسی قول کے محفوظ کرنے کا موقعہ ملا۔ اور اپنی مذکورہ بالا ذمہ داریوں کی بنیاد پر بعض لوگوں نے آپس یہ عام قاعدہ مقرر کر لیا تھا کہ اپنی حاضری کے دنوں میں اس عجیب غریب شخصی تاریخ کے متعلق جن واقعات کا علم حاصل ہوتا تھا دوسرے دن اپنے غائب رفیق کو من وعن سنا دیا کرتے تھے۔ بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

كنت انا وجار لي من الانصار في بني امية بن زيد وهي من عوالي المدينة وكنا نتناوب النزول على رسول الله صلى الله عليه وسلم ينزل يوما وانزل يوما فاذا نزلت جئته بخبر ذلك اليوم من الوحي وغيره واذا نزل فعل مثل ذلك۔

میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی ہم دونوں امیہ بن زید والوں کی بستی میں رہتے تھے جو مدینے کے عوالی کی بستیوں میں سے ہے ہم دونوں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باری باری سے حاضر ہوتے تھے۔ ایک دن وہ حاضر ہوتے ایک دن میں حاضری دیتا۔ میں جس دن حاضر ہوتا اس دن کے حالات اور خبریں وحی وغیرہ کی ان کو سناتا، اور جب وہ حاضر ہوتے تو وہ بھی یہی کرتے۔

ابتداءً اسلام میں محدود معاشی ذرائع ہونے کا یہ لازمی نتیجہ تھا۔ مہاجرین بیچاروں کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے اپنے اہل وعیال کی پرورش کے لئے عموماً بیوپار یا صنعتی کاروبار میں مشغول ہونا پڑتا تھا۔ جس کاؤں کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذکر کیا، یہاں آپ کی نگرانی میں کپڑے بننے کی کارگاہیں تھیں، سخ نامی گاؤں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کارخانہ تھا، انصار عموماً اپنے باغوں اور کھیتوں پر کام کرتے تھے۔ لیکن با ایں ہمہ ایک جماعت ان لوگوں کی بھی تھی جو اپنے در گھر سے جدا ہو کر نو مسلموں کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں صُفّہ نامی جو مدرسہ قائم فرمایا تھا، اس میں داخل ہو جاتے تھے۔ ان کے قیام و طعام کا نظم خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم یا مدینہ کے خوش باش لوگ کیا کرتے تھے اس لئے معاشی افکار سے الگ ہو کر ان کا زیادہ کام یہی تھا کہ قرآن سیکھیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال وسنن کو یاد کریں۔ اسی جماعت کے سرگروہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو ذخیرہ حدیث کے سب سے بڑے راوی ہیں۔ لوگوں کو ان کی کثرت روایت پر کبھی تعجب ہوتا تو خود ہی فرماتے:۔

انکم تزعمون ان اباھریرۃ یکثر الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واللہ الموعد انی کنت امرءً مسکینا اصحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ملء بطنی وکان المھاجرون یشغلھم الصفق بالاسواق وکانت الانصار یشغلھم القیام علی اموالھم (بخاری)

تم لوگ خیال کرتے ہو کہ ابوہریرہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حدیثیں بیان کیا کرتا ہے۔ مگر قسم ہے خدا کی کہ میں ایک غریب مسکین آدمی تھا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف پیٹ پر پڑا رہتا تھا، درآنحالیکہ مہاجرین بازاروں کے کاروبار میں مشغول رہتے اور انصار اپنے اموال (باغ اور کھیت) میں الجھے رہتے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک دوسرے موقع پر یہ بیان کرتے ہوئے کہ اس سلسلہ میں وہ کیا کرتے تھے خود تفصیل فرماتے ہیں :-

قدمت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخیبر و انا یومئذ قد زدت علی الثلثین فاقمت معہ حتی مات وادور معہ بیوت نسائہ واخدمہ واغزو معہ واحج (ابن سعد)

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خیبر کے مقام پر حاضر ہوا، اس وقت میری عمر تیس ۳۰ سال سے اوپر ہو چکی تھی، پھر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیام کر لیا، یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی ۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لگا رہتا، آپ اپنی بیویوں کے مکانوں پر جاتے تو میں آپ کے ساتھ جاتا، ہر وقت آپ کی خدمت کرتا، حج میں اور جہاد کے سفروں میں آپ کے ساتھ جاتا۔

طالب العلمی کے ان دنوں میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کیا گزری بعد کو مزے لے کر بیان کرتے کبھی کہتے جیسا کہ امام بخاری راوی ہیں:-

واللہ الذی لا الہ الا ھو ان کنت لاعتمد علی الارض بکبدی من الجوع واشد الحجر علی بطنی۔

اُس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے کہ بھوک کی وجہ سے میں جگر تھام کر زمین پر ٹیک لگا لیتا، اور اپنے پیٹ پر پتھر باندھتا،

کبھی فرماتے :-

رأیتنی اصرع بین منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحجرۃ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ کے درمیان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عائشۃ فیقال مجنون و ما بی	میں چکرا کر گر پڑتا، خیال کیا جاتا کہ میں پاگل ہوں
جنون ان ھی الا الجوع۔	حالانکہ مجھے جنون سے کیا تعلق، وہ تو صرف
(صحاح)	بھوک کا اثر تھا

مگر یہ سب کچھ گذر رہا تھا، دوسرے ساتھیوں کو یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ کاروبار کرکے آرام اٹھا رہے ہیں، لیکن تیس تینتیس سال کا یہ درسی یمنی نوجوان

موج خوں سر سے گذر ہی کیوں نہ جائے — آستان یار سے اُٹھ جائیں کیا

کہہ کر بیٹھ گیا تھا اور اس وقت تک بیٹھا رہا جب تک کہ حتی توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اس قسم کے یہ ایک آدمی نہیں ہیں، حضرت عبد اللہ بن مسعود جن کا خطاب ہی صحابہ کی جماعت میں صاحب النعلین والسواک والوسادہ تھا، حضرت ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ ہم جب یمن سے آئے تو ابن مسعود کے متعلق مدت تک ہم سمجھتے رہے کہ:۔

انہ رجل من اھل بیت رسول اللہ	وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر
صلی اللہ علیہ وسلم لما نری من	کے کوئی آدمی ہیں، جس کی وجہ ان کی اور
دخولہ و دخول اُمّہ علی النبی	ان کی ماں کی آمد و رفت تھی جو آنحضرت صلے
صلی اللہ علیہ وسلم (اصابہ)	اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتی رہتی تھی،

ان کو دربار رسالت سے یہ حکم ملا ہوا تھا کہ،

"علی ترفع الحجاب و تسمع	ابن مسعود! تم پردہ کو اٹھا کر میرے حجرہ میں آ
سوادی" (اصابہ)	سکتے ہو اور تنہائی کی گفتگو سن سکتے ہو۔

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو ۹ سال تک مسلسل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خانگی خدمت میں رہے۔ اور ان کے سوا بھی حضور کے موالی مثلاً رافع، بلال رضی اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعالیٰ عنہم ایسے جو بہت کم مجلس رسالت کی حاضری سے محروم رہتے تھے یہ تو مردوں میں۔ اور عورتوں میں یہی حال امہات المومنین کا تھا جن میں کوئی نہ کوئی خلوت کی زندگی میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتی تھیں، ان ہی باتوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ صحابہ میں جن لوگوں کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق جن امور کا علم براہ راست حاصل نہ ہوتا تھا ان کو وہ اپنے دوسرے بھائیوں اور ساتھیوں کے ذریعہ سے معلوم کر لیا کرتے تھے۔ اور اس میں بڑے اور چھوٹے کی بحث نہیں تھی، خود حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ

كانوا يعرفون لزومي فيسألوني عن حديثه منهم عمر وعثمان وعلي وطلحة والزبير (ابن سعد)	آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میری وابستگی کا حال لوگوں کو چونکہ معلوم تھا اس لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں مجھ سے پوچھا کرتے، ان پوچھنے والوں میں عمر بھی ہیں اور عثمان بھی علی بھی طلحہ بھی زبیر بھی۔

حدیث کی کتابوں میں اس کا ایک ذخیرہ موجود ہے جس میں خلفاء راشدین اور دوسرے جلیل القدر اصحاب نے باہم ایک دوسرے سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث پوچھی ہے۔ مردوں میں اگر پتہ نہیں چلتا تو امہات المومنین کے پاس آدمی بھیجا جاتا کہ ان کو اگر کوئی علم ہو تو بیان کریں۔ ایک دن حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جن کا ابھی ذکر گذرا، حالانکہ وصال تک صحبت نبوی میں ان کو ہمہ وقتی رفاقت کا موقعہ ملا ہے، لیکن ایک حدیث بیان کر رہے تھے کہ حلقہ کے لوگوں میں سے کسی نے پوچھا:۔

انت سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم۔	کیا آپ نے اس حدیث کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں فرمایا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ما كل ما نحدثكم به سمعناه من رسول الله صلى الله عليه وسلم ولكن كان يحدث بعضنا بعضا۔

(مستدرک حاکم)

ہم تم سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی جو باتیں بیان کیا کرتے ہیں سب خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی سے ہم نے نہیں سنا ہے، بلکہ ہم میں بعضوں نے بعض سے بھی سنا ہے (یعنی ایک صحابی نے دوسرے صحابی سے سنا ہے)

اور یہ بھی تھا بہت بڑا عظیم نفع حضرات صحابہ کی کثرت تعداد کا۔ ہر ایک اپنی کمی دوسرے کے علم سے پوری کرتا تھا۔ اپنے علم کی تکمیل کے شوق ہی کا نتیجہ یہ تھا کہ تابعین یا اصاغر صحابہ ہی کے زمانہ میں نہیں، بلکہ خود باہم ایک صحابی نے دوسرے صحابی سے اپنے علمی نقص کی تکمیل کے لئے کبھی کبھی لمبے لمبے سفر کئے ہیں، اور قرآن نے اسوہ حسنہ کی کامل اتباع اور پیروی کا ان سے جو مطالبہ کیا تھا، اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا بھی چاہیئے تھا۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جن کا گھر مدینہ ہی میں تھا، اور خاص طور پر "حدیث" کے مشہور سرمایہ داروں میں ان کا شمار ہے، جیسا کہ آگے بیان ہوگا، خود بیان کرتے ہیں کہ

بلغني حديث عن رجل من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم فابتعت بعيراً فشددت عليه رحلي ثم سرت اليه شهراً حتى قدمت الشام فاذا عبد الله بن انيس الانصاري فاتيت منزله وارسلت اليه ان جابراً على الباب

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں سے ایک صاحب کے واسطے سے مجھے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پہونچی۔ میں نے اسی وقت ایک اونٹ خریدا اور اس پر اپنا کجاوا کس کر ایک ماہ تک چلتا رہا یہاں تک کہ شام پہنچا، اور عبد اللہ بن انیس انصاری (جن سے حدیث پہونچی تھی) ان کے گھر پہونچا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرجع الی الرسول فقال جابر بن عبد اللہ فقلت نعم فخرج الی فاعتنقته واعتنقنی قال قلت حدیث بلغنی عنک انک سمعته من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المظالم لم اسمعه انا منه قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الحدیث۔

(جامع بیان العلم ابن عبد البرؒ ص ۹۳)

اندر آدمی بھیجا کہ دروازہ پر جابر کھڑا ہوا ہے۔ آدمی نے واپس ہو کر پوچھا کہ کیا جابر بن عبد اللہ ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ عبد اللہ بن انیس باہر نکل پڑے۔ دونوں ایک دوسرے کے گلے سے لپٹ گئے۔ پھر میں نے پوچھا کہ مجھے آپ کے ذریعہ سے ایک حدیث پہونچی ہے۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے "مظالم" کے متعلق آپ نے سنی ہے اور میں نہیں سن سکا ہوں۔ عبد اللہ بن انیس نے جواب میں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے (پھر عبد اللہ نے پوری حدیث سنائی)

اس سے بھی زیادہ دلچسپ واقعہ مشہور صحابی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدفونِ قسطنطنیہ[۵] کا ہے کہ ایک حدیث انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے براہ راست خود سنی تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کچھ شک پیدا ہوا، آپ کے ساتھ اس حدیث کے سننے کے وقت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالےٰ عنہ صحابی بھی دربار رسالت میں موجود تھے، لیکن وہ مصر میں قیام پذیر ہو گئے تھے، سن کر حیرت ہو گی کہ صرف ایک حدیث میں معمولی شک مٹانے کے لئے حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مدینہ منورہ سے مصر روانہ ہوتے ہیں اور حضرت عقبہ بن عامر کے پاس حاضر ہو کر فرماتے ہیں۔

---

[۵] قسطنطنیہ میں آپ کے دفن کا واقعہ بڑا عبرت انگیز [illegible] قسطنطنیہ کا محاصرہ (باقی صفحہ ۱۹۴ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدثنا ما سمعته من رسول الله صلی الله علیه وسلم فی ستر المسلم لم یبق احد سمعه غیری وغیرک۔

مجھ سے اُس حدیث کو بیان کرو جسے تم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کی عیب پوشی کے متعلق سنا ہے، اب اس حدیث کے سننے والوں میں میرے اور تمہارے سوا کوئی باقی نہیں رہا ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے سامنے اس حدیث کو دہراتے ہیں۔ حدیث یہ تھی من ستر مسلماً خزیة ستره الله یوم القیامه ۔ وہ سنتے ہیں۔ اس کے بعد کیا ہوتا ہے، وہ اس سے بھی عجیب تر ہے کہ

فاتی ابو ایوب راحلته فرکبها وانصرف الی المدینه وما حل رحله (۴۹۔ جامع)

حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث سنتے ہی اپنی سواری کی طرف پلٹے، سوار ہوئے اور مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ آپ نے (مصر) میں اپنا کجاوہ بھی نہ کھولا،

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے نام نامی سے حدیث کا ابتدائی طالب علم بھی واقف ہے، ان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ "ان ابا سعید رحل فی حرف" یعنی حدیث

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۳) کے بڑھے تھے جس میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ اتفاق سے بیمار ہوئے اور یقین ہوگیا کہ آخری وقت ہے۔ وصیت فرمائی کہ میری وفات کے بعد جنازہ کرکے مسلمان حملہ کریں اور دشمن کی زمین میں جہاں تک گھس سکتے ہوں گھستے چلے جائیں۔ آخری نقطہ جہاں تک تمہاری رسائی ہو اسی میں مجھے دفن کر دینا۔ جنازہ لے کر مسلمانوں نے حملہ کیا، اور غنیم کو پسپا کرتے ہوئے فصیل کی دیوار تک پہنچ گئے۔ وہیں قبر کھود حضرت کو دفن کر دیا گیا۔ محمد فاتح نے جب صدیوں بعد قسطنطنیہ فتح کیا تو خواب میں آپ نے اپنی قبر کا نشان دیا۔ اسی پر جامع ابی ایوب تیار ہوئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ایک حرف کی تصحیح کے لئے ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باضابطہ کوچ کیا۔ دارمی میں ایک اور صحابی کے متعلق ہے

ان رجلاً من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم رحل الی فضالة بن عبد اللہ وھو بمصر فقدم علیہ وھو یمد لناقة لہ فقال مرحبا قال اما انی لم آتك زائراً ولکن سمعت انا وانت حدیثا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجوت ان یکون عندك منه علم۔ (دارمی)

آنحضرت کے صحابیوں میں سے ایک صاحب فضالہ بن عبد اللہ کے پاس مصر پہنچے۔ فضالہ اس وقت اپنی اونٹنی کا چارہ تیار کر رہے تھے۔ صحابی کو دیکھ کر مرحبا کہا صحابی نے جواب میں فرمایا کہ میں تمہاری ملاقات کو نہیں آیا ہوں بلکہ ہم نے اور تم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی تھی۔ میں یہ امید لے کر آیا ہوں کہ وہ تمہیں یاد ہوگی۔

یہ تو بڑے بڑے صحابیوں کا حال تھا۔ باقی ایسے کمسن اصحاب جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارک سے اتنا فائدہ نہ اٹھا سکے تھے، یا ان کے معاصر اور تلامذہ جنہیں تابعین کہتے ہیں، اس باب میں تو ان کے کارناموں کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں ہے۔ میں نے ذکر کیا تھا کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما باوجود قرابتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے صحابہ کے دروازوں پر تلاش حدیث میں گرد کھاتے پھرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کی کثرت تعداد کے اس فائدے کو محسوس کر لیا تھا کہ ان کے ذریعہ سے اپنی تاریخ کے تمام خط و خال کی تکمیل میں پوری مدد مل سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں اپنے ایام طلب کے قصے بیان کرتے ہوئے فرماتے کہ میں نے اپنے ایک رفیق سے کہا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

هلم فلنسأل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانھم الیوم کثیر — چلو بھائی! ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں سے چل کر دریافت کریں، کیونکہ ابھی ان کی بڑی تعداد موجود ہے۔

لیکن ان کے رفیق بخت کے چھوٹے تھے بولے:۔

یا ابن عباس اتری الناس یحتاجون الیک وفی الناس من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم (دارمی) — ابن عباس! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ لوگ تمہارے بھی محتاج ہوں گے حالانکہ ابھی تو لوگوں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بہت سے صحابی موجود ہیں۔

لیکن اس بیچارے کو کیا معلوم تھا کہ یوں ہی چھوٹے بڑوں کے گذرنے کے بعد بڑے بنتے ہیں۔ بعد کو اپنے علمی سرمایہ کی بدولت جب ابن عباس مرجع انام بن گئے تو وہ بیچارے پچھتاتے تھے اور کہتے تھے کان ھذا الفتی اعقل منی (یہ نوجوان مجھ سے زیادہ دانش مند تھا) تابعین میں سعید بن المسیب، مسروق وغیرہ جن کے حالات آگے آ رہے ہیں، ان کے بیانوں میں اس قسم کے واقعات بکثرت ملتے ہیں۔ حضرت سعید بن المسیب سے امام مالک راوی ہیں:۔

انی کنت لأسیر اللیالی والایام فی طلب الحدیث (جامع) — میں حدیث کی تلاش میں کئی کئی دن اور کئی کئی راتیں مسلسل چلتا رہا ہوں۔

حضرت مسروق کے متعلق بھی بیان کیا جاتا ہے کہ رحل فی حرف (یعنی صرف ایک لفظ کی تحقیق کے لیے کوچ کیا)۔ ان تابعیوں کی نزاکت ذوق کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بسا اوقات کوئی حدیث ان کو ایسے آدمی سے پہونچتی جو شرف صحبت سے فیض یاب نہ ہوتے، حالانکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس حدیث کا علم ان کو حاصل ہو چکا ہوتا، لیکن اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ جس صحابی سے یہ روایت بیان کی جاتی ہے وہ زندہ ہیں، تو خواہ وہ کسی مقام پر ہوتے، ان تک پہنچ کر کوشش کرتے کہ براہ راست بھی اس حدیث کو صحابی سے خود سن لیں۔ دارمی نے ابوالعالیہ سے یہ روایت درج کی ہے۔

کنا نسمع الروایة بالبصرة عن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم نرض حتی رکبنا الی المدینة فسمعناها من افواههم (دارمی)	ہم لوگ بصرہ میں ایک روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کے حوالہ سے سنتے تھے، مگر ہم صرف اسی پر قناعت نہیں کر لیتے تھے، جب تک سوار ہو کر مدینہ پہونچ کر خود ان صحابیوں کی زبانی بھی اس روایت کو نہ سن لیتے۔

یہ کسی خاص شخص کا حال نہیں ہے بلکہ عام تابعین کے طرز عمل کا بیان ہے۔

طلب حدیث کے لئے رحلت کا ایسا عام مذاق پھیل گیا تھا کہ بطور امور عامہ کے بعض بعض تابعین کی زبان پر یہ لطیفہ جاری ہو گیا، یعنی شاگردوں سے حدیث بیان کرتے اور آخر میں انہیں مخاطب کر کے بطور طیب کے فرماتے۔

خذها بغیر شئ قد کان الرجل یرحل فیما دونها الی المدینة (ابن سعد)	بغیر کسی معاوضہ کے (مفت) یہ حدیث لے لو، ورنہ حال یہ تھا کہ اس سے بھی کم چیز کے لئے لوگ مدینہ تک سفر کرتے تھے۔

یہ حضرت شعبی کا قول ہے جو کوفہ میں اپنے طلبہ سے مزاحاً کبھی کبھی کہا کرتے تھے۔

مذکورہ بالا عوامل د موثرات سے اگر پیچھے تو بجائے خود ان میں ہر ایک حدیث الیعنی تاریخ کے اس عجیب و غریب سرمایہ کی حفاظت کی کافی ضمانت ہے۔ لیکن جہاں یہ سارے اسباب اکٹھے ہو گئے ہوں؟ اور اب اسی کے ساتھ آپ اس عام تاریخی دعویٰ کو بھی اپنے سامنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دکھ لیجئے کہ:۔

من مذھب العرب انھم کانوا	عرب کا عام طریقہ تھا کہ زبانی یاد رکھنے کی کچھ
مطبوعین علی الحفظ مخصوصین	ان کی فطری عادت سی تھی۔ اس بات میں ان
بذالک (جامع)	کو خاص خصوصیت حاصل تھی۔

عرب کا بدو کتابوں کے طومار کو دیکھ کر مذاق اڑاتا تھا۔ بدوں کا یہ عام چلتا ہوا فقرہ تھا "حرف فی تامورك خیر من عشرة فی کتبك (دل میں ایک حرف کا محفوظ رہنا، کتابوں کی دس باتوں سے بہتر ہے)

عرب کا مشہور شاعر کہتا ہے ؎

لیس بعلم ما حوی القمطر	ما العلم الا ما حوی الصدر
علم وہ نہیں ہے جو کتابوں میں درج ہے	نہیں ہے علم لیکن صرف وہی جو سینہ میں محفوظ ہو

دوسرا کہتا ہے ؎

استودع العلم قرطاسا فضیعه	وبئس مستودع العلم القراطیس
جس نے علم کو کاغذ کے سپرد کیا اس نے اسے ضائع کیا	علم کے بدترین مدفن کاغذ ہیں

تیسرے کا شعر ہے ؎

علمی معی حیث ما یممت احمله	بطنی وعاء له لا بطن صندوق
میرا علم میرے ساتھ ہے جہاں جاتا ہوں اسے اٹھائے لئے جاتا ہوں	میرا باطن اس علم کا برتن ہے نہ کہ شکم صندوق
ان کنت فی البیت کان العلم فیه معی	اذا کنت فی السوق کان العلم فی السوق
اگر گھر میں رہتا ہوں تو علم میرے ساتھ رہتا ہے	جب بازار میں ہوتا ہوں تو میرا علم بھی بازار میں پہنچ جاتا ہے

کم از کم ان اشعار سے اس قوم کے خاص رجحان کا پتہ چلتا ہے لکھنے اور کتابت کے متعلق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاید ہی کسی زبان میں اس قسم کے اشعار مل سکتے ہیں۔ سوسائٹی کے اس خاص مذاق کا یہ نتیجہ تھا کہ قدرتی طور پر ان کو اپنے حافظہ پر بھروسہ کرنا پڑتا تھا۔ قاعدہ ہے کہ انسان اپنی جس قوت کو زیادہ استعمال کرتا ہے اسی میں جلا پیدا ہو جاتی ہے۔ مختلف اقوام کی مختلف چیزوں کے ساتھ خاص مناسبت کی یہی وجہ ہے۔ اسی لئے یہ مسلم ہے ان العرب قد خصت بالحفظ "عرب حافظہ کی قوت میں خصوصیت رکھتے تھے"۔ ان کے حافظہ کی قوت کے جو واقعات کتابوں میں درج ہیں کتابی قوموں کے لئے حقیقت یہ ہے کہ ان کا باور کرنا دشوار ہے۔ حافظ عمر بن عبد البر لکھتے ہیں۔

كان احدهم يحفظ اشعار بعض في سمعة واحدة

ان میں بعض لوگ صرف ایک دفعہ سن کر لوگوں کے اشعار یاد کر لیا کرتے تھے۔

ابن عباس کے متعلق مشہور ہے کہ ان کے سامنے عمر بن ابی ربیعہ شاعر آیا اور ستر شعر کا ایک طویل قصیدہ پڑھ گیا۔ شاعر کے جانے کے بعد ایک شعر کے متعلق کچھ گفتگو چلی۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ مصرعہ اس نے یوں پڑھا تھا۔ جو مخاطب تھا اس نے پوچھا کہ تم کو پہلی دفعہ میں کیا پورا مصرعہ یاد رہ گیا؟ بولے کہو تو پورے ستر شعر سنا دوں، اور سنا دیا۔ حدیث کے مشہور راوی امام زہری کا بیان لوگ نقل کرتے ہیں کہ

انی لامر بالبقيع فاسد آذانی مخافة ان يدخل فيها شئ من الخنا فوالله مادخل اذنی شئ قط فنسيته

(ابن عبد البر)

میں "بقیع" کی طرف گذرتا ہوں تو اپنے کانوں کو بند کر لیتا ہوں اس اندیشہ سے کہ ان میں کوئی خراب بات نہ داخل ہو جائے، کیونکہ قسم خدا کی میرے کان میں کوئی بات اب تک ایسی داخل نہیں ہوئی ہے جسے میں بھول گیا ہوں

شعبی بھی یہی کہتے تھے:۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ما کتبت سوداء فی بیضاء وما استعدت حدیثاً من انسان

(ابن سعد)

میں نے کبھی سیاہی سے سفیدی پر کچھ نہیں لکھا، اور نہ کسی شخص کی گفتگو میں نے کبھی بھولنے کے باعث دہرائی۔

غیروں پر تو حجت نہیں ہو سکتی۔ لیکن علماء اسلام کا خیال ہے کہ علاوہ اس کے کہ عرب کا حافظہ کچھ قدرتی طور پر غیر معمولی تھا، یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ قرآن مجید کے متعلق جس نے "انا له لحافظون" کا اعلان کیا تھا اُسی نے قرآن کی عملی شکل یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی حفاظت جن کے سپرد کی تھی ان کے حافظوں کو غیبی تائیدوں کے ذریعہ سے بھی کچھ غیر معمولی طور پر قوی تر کر دیا تھا اور یہ تو بخاری میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دربار رسالت میں نسیان کی جب شکایت کی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خاص توجہ اور دعا کے ذریعہ سے اُن کا حافظہ ایسا ہو گیا کہ پھر وہ کوئی چیز بھول نہیں سکتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت تمام صحاح کی کتابوں میں مروی ہے، تقریباً شہرت کے انتہائی درجہ پر پہونچی ہوئی ہے۔

حدیث کے زندہ نسخے بہر حال صحابہ کا ذوق اتباع میں حتی الوسع ممکنہ حد تک اپنے کو بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے قریب تر کرنے کی کوشش، اور اسی رنگ میں دوسروں کو رنگنے کا ان میں بے پناہ جذبہ، ان تمام خصوصیات کے ساتھ جن کا میں نے ذکر کیا، اگر اس کے بعد میں یہ دعویٰ کروں کہ جن واقعات وحالات اور جن اقوال وملفوظات کا ظہور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ہوا تھا، صحابہ کرام اپنے اپنے علم کی حد تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زندہ مُثنّیٰ بنے ہوئے تھے، اور اس طرح تاریخ کی وہ کتاب یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی، عہد صحابہ میں بجائے ایک نسخہ کے ہزاروں نسخوں کی صورت میں موجود ہو چکی تھی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو کیا میرے اس دعوی کو کوئی غلط ثابت کر سکتا ہے؟ پس تدوین حدیث کی پہلی صورت تو خود صحابہ کرام کی زندگی تھی، اور یہی حفاظت حدیث یا اس تاریخ کے محفوظ کرنے اور ہونے کی پہلی صورت۔ میرا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ہر صحابی اپنی زندگی میں بالکلیہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہو بہو نقل تھے۔ اگرچہ خلفائے راشدین ہی نہیں بلکہ درجہ میں ان سے بھی جو فروتر اصحاب ہیں، ہم کتابوں میں یہ الفاظ ان کے متعلق پاتے ہیں۔ عبد الرحمٰن بن زید سے ترمذی میں مروی ہے کہ میں نے حضرت حذیفہ صحابی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:۔

حدثنا باقرب الناس من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم هدیا ودلا نلقاہ فناخذ عنہ ونسمع منہ

مجھے بتایئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے طرز و روش چال ڈھال میں جو آدمی سب سے زیادہ قریب ہو وہ کون ہے تا کہ میں ان سے ملوں اور ان سے علم حاصل کروں، حدیثیں سنوں،

ایک معاصر[1] دوسرے معاصر کے متعلق یہ شہادت ادا کرتا ہے، یعنی حذیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

اقرب الناس هدیا ودلا وسمتا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن مسعود

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے طرز و روش چال ڈھال، وضع و انداز میں سب سے زیادہ قریب ترین آدمی ابن مسعود ہیں۔

صرف اُن ہی باتوں میں نہیں جن کا تعلق شریعت و قانون سے ہے بلکہ بعض صحابہ تو آنحضرت

---

[1] فن تنقید رجال میں انسانی فطرت کی اس کمزوری کا خیال کیا گیا ہے جس کی تعبیر "المعاصرة اصل المنافرة" ہم عصری باہمی نفرت کی بنیاد ہے" کے مشہور فقرہ سے کی گئی ہے اسی لئے معاصر کی معاصر کے متعلق تعریف بہت اہم سمجھی جاتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی ہو بہو تصویر اتارنے کے لئے یہاں تک کرتے تھے کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق عام طور سے مشہور ہے :۔

كان يتبع آثاره فی كل مسجد صلّی فيه وكان يعترض براحلته فی طريق رأی رسول الله صلی الله عليه وسلم عرض ناقته (اصابہ)

جن جن مقامات پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے (راستوں) میں نمازیں پڑھی تھیں، ابن عمر ان مقامات کو تلاش کرتے تھے اور نمازیں پڑھتے تھے ۔ راہ میں جہاں کہیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی کا رخ پھیرا تھا ابن عمر بھی قصداً اس مقام پر یہی کام کرتے تھے۔

یہاں تک بیان کیا گیا ہے کہ سفر کے موقع پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم اگر استنجا کے لئے اونٹ سے کہیں اتر کے بیٹھے تھے تو باوجود عدم ضرورت کے استنجا کرنے والوں کی شکل بنا کر ابن عمر اونٹ سے اتر کر وہاں بیٹھا کرتے ۔اسی سلسلہ میں ان کی یہ عام عادت بیان کی جاتی ہے :۔

ليسأل من حضر اذا غاب عن قوله وفعله (اصابہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جس قول و فعل سے یہ غائب رہتے تو جو لوگ اس وقت حاضر ہوتے ان سے پوچھ لیتے۔

امام مالک سے ان کے شاگرد یحییٰ نے ایک دن پوچھا کہ :۔

أسمعت المشائخ يقولون من اخذ بقول ابن عمر لم يدع الاستقصاء قال نعم (اصابہ)

کیا آپ نے بزرگوں سے یہ سنا ہے کہ ان کا خیال تھا جس نے ابن عمر کے قول کو اختیار کیا، اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی تکمیل میں کوئی چیز نہیں چھوڑی؟ بولے ہاں!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ "استقصا" یا سیرت طیبہ کی کامل "تصویر کشی" یا "ہو بہو نقل" اتارنا نصب العین تو سب ہی کا تھا لیکن ہر شخص کے لئے اس کا میسر آنا آسان نہیں ہے۔ تاہم اسی کے ساتھ جتنے بھی صحابی تھے ان کی زندگی کا ایک بڑا حصہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے قالب میں ڈھلا ہوا تھا اور اسی بنیاد پر میں ہر صحابی کو دراصل حدیث کا ایک نسخہ یا موجودہ اصطلاح میں اجازت دیجئے تو اڈیشن قرار دیتا ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ ان میں بعض اڈیشن بہت زیادہ کامل اور حاوی تھے اور بعض میں وہ کاملیت نہیں پائی جاتی تھی۔ اور اگر صحابہ کی جو تعداد اوپر بیان کی گئی ہے صحیح ہے تو ایمان و اسلام اور جوش عمل کی ان میں جو سینہ زوریاں تھیں ان کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا یقیناً مبالغہ نہ ہوگا کہ عہد نبوت میں ہی ہماری وہ تاریخ جس کا نام حدیث ہے، اس کے کامل و ناقص زندہ نسخوں اور اڈیشنوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ چکی تھی۔ کیا دنیا میں کوئی تاریخ یا کسی تاریخ کا کوئی حصہ ایسا موجود ہے جس کے عینی شاہد اتنی تعداد میں خود اس واقعہ کے مجسم آئینے بن کر دنیا کے سامنے پیش ہوئے ہوں؟ اور کیا آئندہ ان نسخوں کی تعداد میں کوئی کمی ہوئی؟ کاملیت کے اعتبار سے جتنی بھی کمی ہوئی ہو لیکن کمیت اور مقدار کے لحاظ سے ہر شخص جانتا ہے کہ ان تیرہ ساڑھے تیرہ صدیوں میں ہر سال اس کی تعداد میں اضعافاً مضاعفۃً اضافہ ہی ہوتا رہا، اور ہو رہا ہے۔ ہر مسلمان خواہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں آباد ہو، آج اس کی زندگی میں جتنے صحیح مذہبی اور اخلاقی عناصر شریک ہیں، کیا یہ اسی تاریخ کے کسی حصہ کا عکس نہیں ہے؟ آج بھی کوئی مسلمان ہندوستان کے کسی کور دہ دیہات میں جو نمازیں پڑھتا ہے، قسم کھا کر کہہ سکتا ہے، اور یقیناً وہ اپنی اس قسم میں سچا ہے، کہ وہ اسی طرح ہاتھ اٹھاتا ہے جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اٹھاتے تھے، وہی کہتا ہے جو حضور کہتے تھے، وہ پڑھتا ہے جو حضور پڑھتے تھے، اسی طرح وہ جھکتا ہے جس طرح حضور جھکتے تھے، اسی طرح زمین پر سر رکھتا ہے جس طرح حضور رکھتے تھے۔ اسی پر مسلمانوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے مذہبی اور دینی اعمال و عقائد کو قیاس کر لیجیے۔ کچھ نہیں تو کم از کم اس تاریخ کی کوئی ایک آدھ ہی بات، کلمۂ شہادت ہی سہی، اس تاریخ کا یہ جزء تو ہر ایک مسلمان کے اندر اب تک محفوظ ہے اور اسی بنیاد پر گُل کے متعلق تو نہیں، لیکن تاریخ کے اس حدیث کا بہت بڑا حصہ متواتر ہے عظیم الشان ذخیرے کے ایک بڑے حصہ کو میں متواتر خیال کرتا ہوں، یعنی بغیر کسی انقطاع کے نسلاً بعد نسل لاکھوں اور لاکھوں کے بعد کروڑہا کروڑ انسانوں کے ذریعہ سے مشرق و مغرب میں یہ حصہ منتقل ہوتا ہوا دنیا کے موجودہ دور تک پہونچا ہے، اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک پہنچتا رہے گا۔ ان کی مقدار کیا ہوگی؟ اس کے لئے صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ امتِ اسلامیہ کے تمام فرقے جن مسائل پر متفق ہیں، تقریباً سب کا یہی حال ہے۔ عقائد و ایمانیات کے سوا طہارت، غسل، وضو، عبادات، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، معاملات، عقوبات، سیاسیات، مباحات و محظورات وغیرہ وغیرہ مختلف ابواب سے ان اتفاقی مسائل کا اگر انتخاب کیا جائے جو عہدِ نبوت سے اس وقت تک ہر ملک اور ہر فرقہ کے مسلمانوں میں طبقۃً بعد طبقۃٍ خلفاً عن سلف تواتر کے ساتھ اس حیثیت سے مسلّم ہیں کہ یہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم اور طرزِ عمل تھا، تو کون کہہ سکتا ہے کہ ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز نہ ہوگی اور ان کا شمار کرنا زیادہ دشوار بھی نہیں ہے۔

گویا قرآن کے بعد ہم جس چیز کو بغیر کسی تذبذب و دغدغہ کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک کے ساتھ منسوب کر سکتے ہیں، وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال و تقریرات کا یہی حصہ ہے جو ہم تک تعامل و توارث کے ذریعے پہونچا ہے۔ لیکن اس مسئلہ میں صرف اسی پر قناعت نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ اسی کے ساتھ ان معلومات کے ہر ہر جزء کو مسلسل روایت کے ذریعہ سے فنِ حدیث میں محفوظ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور یوں باہم ایک کی دوسرے سے توثیق ہوتی ہے۔ اسی ... تواتر کے ذریعہ سے یہ چیزیں جس طرح مروی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں ان کو اور مسلمانوں نے تعامل کے ذریعہ سے ان چیزوں کو جس طرح ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کیا ہے، دونوں کو سامنے رکھنے سے ہر ایک کی تصدیق دوسرے سے ہوگی۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا وہ حصہ جس کی منتقلی اس اتفاقی تعامل کے ذریعہ سے عمل میں نہیں آئی ہے، اس کے لئے سب سے پہلے تو ہمارے پاس وہی روایت کا ذریعہ ہے۔ روایت کے اس سلسلہ کی آئندہ کڑیوں پر تو آگے بحث آئے گی، عہد صحابہ میں جس حزم و احتیاط کے ساتھ ان چیزوں کو اپنی اصلی حالت پر محفوظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، اس کی داستان آپ سن چکے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ہر لفظ اور ہر ہر فعل کی نگرانی، صحابہ کرام کا ایک ایک لفظ کے شک مٹانے کے لئے سینکڑوں میل کا سفر طے کرنا، اس کا ذکر بھی آپ سن چکے ہیں۔ لیکن بات اسی پر ختم نہیں ہو گئی، بلکہ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں، خود صحابہ بھی ایک دوسرے سے اس معاملہ میں پوچھ گچھ کا سلسلہ جاری رکھتے تھے، ہر ایک اپنے علم کو دوسرے کے علم پر پیش کرتا تھا، ان کے اس طرز عمل ہی سے روایت کی قوت بڑھتی چلی جاتی تھی۔

متابعات اور شواہد

اسی کے ساتھ صحابہ سے روایت کرنے والے حتی الوسع اس کی کوشش کرتے تھے کہ ایک ہی روایت کو جن جن صحابیوں سے سننا ممکن ہو اس میں کمی نہ کی جائے۔ اصطلاح حدیث میں روایت کے اس طریق عمل کا نام متابعت تھا۔ اور جو روایتیں اس طریقہ سے حاصل کی جاتی تھیں، یعنی ایک ہی واقعہ کو تصدیق و توثیق کے لئے شاگرد اپنے استاذ کے رفیقوں اور معصروں سے بھی جو روایت کرتا ہے، ان کا نام اصطلاحاً متابعات و شواہد ہے۔ جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا محدثین میں توابع و شواہد کے جمع کرنے کا شوق زیادہ شدت پذیر ہوتا رہا۔ آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ صرف ایک مشہور حدیث انما الاعمال بالنیات سات سو طریقوں سے مروی ہے یعنی حدیث ایک ہے لیکن اس کی سندیں سات سو ہیں۔ اور یہ عدد بھی ایک خاص نقطہ نظر سے ہے۔ ورنہ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدیث کے طرق دراصل اس سے بھی زیادہ ہیں۔ روایتوں میں قوت پیدا کرنے کا یہ بہترین طریقہ تھا۔ محدثین نے اس پر بہت زیادہ زور دیا ہے جس کا قصہ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ آئے گا۔ حدیث کی مشہور کتاب صحیح مسلم میں امام مسلم کا نقطہ نظر زیادہ تر اسی عمل پر مرکوز رہا ہے۔ خیر یہ تو بعد کو ہوا، لیکن عہد صحابہ میں بھی جہاں تک ممکن ہوا ہے، اس طریقہ کے برتنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسی کا آج نتیجہ ہے کہ غیر متواتر حدیثوں کا بھی جو ذخیرہ ہمارے پاس ہے زیادہ تر ان میں ایک ایک حدیث کے راوی آٹھ آٹھ دس دس صحابی ہیں۔ مشہور محدث امام ترمذی نے اپنی کتاب میں جہاں اور بہت سی مفید باتیں اضافہ کی ہیں، اس کا بھی التزام کیا ہے کہ ہر حدیث کو بیان کرکے آخر میں بتاتے ہیں کہ کن کن صحابیوں سے یہ حدیث مروی ہے۔ اور یہ تو واقعہ کے عینی شاہدوں یا معصروں کی تعداد ہے۔ بعد کو صحابہ کے شاگردوں اور ان کے شاگردوں کے شاگردوں کی تعداد میں جو اضافہ ہوتا چلا گیا ان کا تو شمار کرنا مشکل ہے۔ لیکن ہمارے پاس بحمد اللہ ایسی ایک نہیں متعدد کتابیں موجود ہیں، جن میں ہر حدیث کے تمام اسناد ایک جگہ جمع کردیئے گئے ہیں۔ آج دنیا میں کون ہے جو گذرے ہوئے واقعات میں سے کسی ایک واقعہ کے متعلق بھی وثوق و اعتماد کے ان آہنیں ذرائع کو پیش کرسکتا ہے؟ باسورتھ اسمتھ حدیث کی اسی تاریخی وثاقت کو دیکھ کر یہ لکھنے پر مجبور ہوا ہے:-

"کوئی شخص یہاں (سیرت نبوی) کے متعلق نہ خود کو دھوکہ دے سکتا ہے اور نہ دوسرے کو دے سکتا ہے کہ یہاں دن کی پوری روشنی ہے" (لائف آف محمد از باسورتھ اسمتھ ص ۱۰۸)

لیکن ابھی بات پوری نہیں ہوئی۔ ایک اہم نقطہ بحث کا ابھی باقی ہے۔ قبل اس کے کہ میں ادھر توجہ کروں، ایک عام غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے چلوں۔ عموماً لوگوں کا یہ خیال ہے کہ "حدیث" کی ابتدائی نوعیت کسی علم کی نہیں تھی، متفرق طور پر متفرق صحابیوں نے آنحضرت سے کچھ سنا، یا کچھ کرتے ہوئے دیکھا تھا، پھر یا تو بہ ضرورت انہوں نے کبھی اس کا اظہار کر دیا،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا بعض تو یہاں تک خیال کرتے ہیں کہ جیسے گھر کے پرانے بڑے بوڑھے اپنی ریٹائرڈ زندگی میں نوجوانوں کے درمیان بیٹھ کر اپنے عہد جوانی کے قصے دل بہلانے اور گرمیِ بزم کے لئے بیان کرتے ہیں، یونہی العیاذ باللہ حدیث کی ابتدا ہوئی، بعد کو پھر بہ تدریج لوگوں نے اس کو ایک علم بنا لیا؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور سیرت طیبہ کو جو تعلق قرآن اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی بنیاد پر مسلمانوں کی اخلاقی و مذہبی زندگی سے تھا، آپ اس کا حال سن چکے۔ کیا ان کے بعد کوئی ایک سکنڈ کیلئے بھی سوچ سکتا ہے کہ خدانخواستہ کسی زمانہ میں بھی آپ کے اقوال و اعمال خصوصاً عہد صحابہ میں غیر اہم ہو سکتے تھے جیسا کہ اس شیطانی وسوسہ کا اقتضا ہے؟ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی طرف سے اسکے ذمہ دار تھے کہ قرآن کی تعمیلی شکل اور اسکے تشریحی مطالب کو خود اپنی زندگی کے نمونوں سے مسلمانوں کو بتائیں، اور مسلمان بھی اس کے ذمہ دار قرار دیئے گئے ہیں کہ ان کو اپنی زندگی کا جزو بنائیں اور دوسروں کو بھی اسی راہ پر چلانے کی کوشش کریں۔ ایسی صورت میں دیوانوں کے سوا اس قسم کے اوہام میں اور کون مبتلا ہو سکتا ہے؟ ماسوا اسکے خود عہد نبوت میں جیسا کہ کہہ چکا ہوں، قرآن اور سنن و سیر کے سیکھنے سکھانے کے لئے ایک باضابطہ تعلیم گاہ صفہ کے نام سے قائم تھی جس میں طلبہ کی تعداد ایک ایک وقت میں اسی اسی تک ہوتی تھی۔ اس مدرسہ میں تعلیم دینے کا کام ابوہریرہ، ابن مسعود، زید بن ثابت، اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہم عہد صحابہ میں انجام دیتے تھے۔ مسلمان ہو ہو کر باہر سے لوگ آتے تھے اور حسب ضرورت اس مدرسہ میں قیام کر کے اپنے گھر جاتے تھے۔ خود قرآن میں اس کا حکم بھی دیا گیا تھا جیسا کہ ارشاد ہے۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۔ توبہ

پھر ایسا کیوں نہ ہو کہ ہر آبادی میں سے ایک گروہ نکل آئے تاکہ دین کی سمجھ حاصل کرے اور واپس جا کر اپنے لوگوں کو ڈرائے۔ ہو سکتا ہے کہ لوگ اسکے بعد پارسائی اختیار کریں۔

اس مدرسہ میں انہیں کن کن باتوں کی باضابطہ تعلیم دی جاتی تھی؟ حدیثوں میں اس کا تفصیلی ذکر موجود ہے، فروہ بن ملیک جو یمن سے مدینہ منورہ آئے تھے اور بعد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یمن کے قبائل مراد، زبید، مذحج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے گورنر بنا کر بھیجے گئے ان کے ذکر میں بیان کیا جاتا ہے:۔

جاء من الیمن و تعلم القرآن و فرائض الاسلام و شرائعہ (ابن سعد)	یمن سے آئے اور قرآن اور اسلام کے فرائض و قوانین کی تعلیم حاصل کی۔

اور یہ تو ان لوگوں کی تعلیم کا طریقہ تھا جو خود مدینہ چلے آتے تھے ۔ لیکن جو نہیں آسکتے تھے ان کے لئے آستانہ نبوّت سے باضابطہ معلمین بھیجے جاتے تھے۔ اسی سلسلہ میں بیر معونہ اور رجیع کے معلموں کا مشہور واقعہ ہے جن میں ان بیچارے معلموں کو دھوکہ دے کر شہید کر دیا گیا تھا ان کے سوا حضرت معاذ بن جبل، حضرت علی کرم اللہ وجہہ منجملہ اور اغراض کے تعلیمی غرض سے بھی یمن بھیجے گئے تھے۔ حضرت معاذ کو جو حکم دیا گیا تھا اس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی قومی ادعوھم الی اللہ تبارک و تعالیٰ و اعرض علیھم شرائع الاسلام (مستدرک)	مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کی طرف اس لئے بھیجا کہ ان کو اللہ تبارک و تعالےٰ کی طرف بلاؤں، اور ان پر اسلامی قوانین پیش کروں

الغرض قرآن کے ساتھ ساتھ شرائع اسلام یعنی قرآن کے احکام کی تعمیلی شکل جو صحابہ کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم خود کر کے بتایا کرتے تھے، عہد نبوّت ہی میں ان دونوں ہی کی حیثیت مستقل علم کی ہو چکی تھی۔ حدیث کا وہ ذخیرہ جس میں تعلیم و تعلم پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مختلف پیرایوں میں ابھارا ہے، آج کل کی لیڈرانہ تقریروں میں تو اس کے تحت داغ اور امیر کی شاعری اور شیکسپیر و کالی داس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ڈراموں تک کی تعلیم حاصل کرنے کو داخل کر دیا جاتا ہے، لیکن سچ یہ ہے کہ زیادہ تر ان سے مراد قرآن اور سنت ہی کی تعلیم تھی۔ پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد جیسا کہ ہونا چاہیئے تھا، نہ صرف مدینہ منورہ بلکہ ان تمام مرکزی شہروں میں جہاں جہاں اسلام کی حکومت پہنچ چکی تھی، اور حضرات صحابہ کرام کی مختلف جماعتیں وہاں جا کر توطن پذیر ہو گئی تھیں، جن میں خود مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، یمن، یمامہ، بحرین، دمشق، کوفہ، بصرہ، مصر کو خاص اہمیت حاصل ہے جلیل القدر اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان شہروں کے جوامع میں قرآن کے ساتھ ساتھ روایت حدیث کے باضابطہ حلقے قائم کر دیئے تھے۔ مدینہ منورہ میں مردوں میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ، اور عورتوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمات اس سلسلہ میں سب سے زیادہ نمایاں تھیں۔ اسی طرح دمشق میں حضرت ابو درداء، کوفہ میں عبداللہ بن مسعود، بصرہ میں عمران بن حصین، از یں قبیل ہر مرکزی شہر میں ان اغراض سے تعلیمی حلقے جاری ہو چکے تھے۔ حضرت ابوہریرہ کا ذوق روایت تو اس حد تک پہونچا ہوا تھا کہ جمعہ کے دن بھی چوں کہ مسجد میں عام مسلمانوں کا بڑا مجمع جمع ہو جاتا تھا، اس مجمع کو غنیمت خیال کر کے تقریباً ہر جمعہ میں قبل اس کے کہ امام خطبہ کے لئے منبر پر آئے، آپ کا یہ عام قاعدہ تھا جیسا کہ حاکم کی مستدرک میں روایت ہے کہ

کان ابوھریرۃ یقوم یوم	جمعہ کے دن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ
الجمعۃ الی جانب المنبر	تعالےٰ عنہ منبر کے ایک کنارے کھڑے
ثم یقبض علی رُمّانۃ المنبر	ہو جاتے پھر منبر کا گولا تھام کر فرماتے
یقول قال ابوالقاسم صلی	"فرمایا ابوالقاسم صلے اللہ علیہ وسلّم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ علیہ وآلہ وسلم قال محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاذا سمع باب المقصورة بخروج الامام جلس۔

نے" فرمایا محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے" فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے" فرمایا الصادق المصدوق صلے اللہ علیہ وسلم نے" پھر جب انہیں محسوس ہوتا کہ "مقصورہ[1]" کے دروازہ سے امام نکل رہا ہے ، بیٹھ جاتے۔

ابن سعد کی ایک تابعی سے روایت ہے کہ وہ

دخل مسجد حمص فاذا بحلقة فیھم رجل جمیل وضاح الثنایا وفی القوم من ھو أسن منه وھم یقبلون علیه یستمعون کلامه فسألته من انت فقال انا معاذ بن جبل۔

(ابن سعد)

دمشق کے مشہور شہر حمص میں داخل ہوئے ، کیا دیکھتے ہیں کہ ایک خوبصورت آدمی جن کے دانت الگ الگ تھے ، لوگوں کے مجمع میں بیٹھے ہوئے ہیں ، مجمع میں ایسے آدمی بھی ہیں جو اس حسین آدمی سے عمر میں بڑے ہیں ، اور اس پر جھکے ہوئے اس کی باتیں سن رہے ہیں ، میں نے پوچھا تم کون ہو ، بولے میں معاذ بن جبل ہوں۔

بصرہ کا ذکر کرتے ہوئے ایک دوسرے صاحب کا بیان ہے :-

---

[1] خلفاء پر جب اچانک حملے ہونے لگے تو مسجد میں ایک کمرہ خاص بنا دیا جاتا تھا جس میں خلیفہ سنتیں وغیرہ پڑھتے اور اس سے باہر ہو کر منبر پر آتے۔ اسی کو مقصورہ کہتے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

أتيت البصرة فدخلت المسجد فاذا انا بشيخ ابيض الراس واللحيه مستند الى اسطوانة فى حلقة يحدثهم (ابن سعد)

میں بصرہ پہونچا اور مسجد میں داخل ہوا، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بوڑھے آدمی جن کے سر کے بال سپید تھے مسجد کے ستون سے پیٹھ لگا کر ایک حلقہ میں بیٹھے ہوئے حدیثیں بیان کر رہے ہیں،

ہشام بن عروہ کہتے ہیں کہ

كان لجابر بن عبد الله حلقة فى المسجد النبوى يوخذ عنه العلم (اصابہ ج ۱ ص ۲۱۳)

مسجد نبوی میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالے عنہ کا ایک حلقہ درس تھا جس میں لوگ ان سے علم حاصل کرتے تھے۔

اور یہ سب کے سب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر اکابر اصحاب میں ہیں۔ اس کے بعد پھر کون کہہ سکتا ہے کہ "فن حدیث" کی حیثیت عہد نبوت یا عہد صحابہ میں باضابطہ علم کی نہیں بلکہ افواہی قصوں کی تھی۔

حدیث کی کتابی تدوین بہرحال یہاں تک تو "فن حدیث" کے وثوق و اعتماد کے صرف دو ذریعوں پر بحث ہوئی یعنی ایک تعامل، دوسری روایت لیکن آخر میں ایک سوال رہ جاتا ہے اور دنیا کے اس کاغذی دور میں عموماً گدگدی اسی کی اٹھتی ہے۔ دل ہی دل میں لوگ سوال کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ سہی لیکن کتابی شکل میں آخر تاریخ کا یہ حصہ کب آیا۔ گویا اسی زمانہ کو تدوین حدیث کا آغاز قرار دینا چاہتے ہیں۔ اگرچہ واقعہ تو یہی ہے کہ گذشتہ بالا ساز و سامانوں کے ہوتے ہوئے شاید اس کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی، بلکہ کتابت کے متعلق جو عربی مذاق تھا اس کو دیکھتے ہوئے تو اس کی اور بھی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی۔ فقہ و حدیث کے مشہور امام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوزاعی تو فرمایا کرتے تھے۔

کان ھذا العلم شیئاً شریفا اذ کان من افواہ الرجال یتلاقونہ ویتذاکرونہ فلما صار فی الکتب ذھب نورہ وصار الی غیر اھلہ

(جامع بیان العلم ج ۱ ص ۹۸)

حدیث کا علم بہت ہی قیمتی اور شریف اس وقت تک تھا جب لوگوں کے منہ سے حاصل کیا جاتا تھا۔ لوگ باہم ملتے جلتے رہتے تھے اور آپس میں اسی کا مذاکرہ کرتے رہتے تھے۔ لیکن جب سے حدیثیں کتابوں میں درج ہو گئیں، اس کا نور اور اس کی رونق جاتی رہی اور ایسے لوگوں میں پہنچ گیا جو اس کے اہل نہیں ہیں۔

اور اسی لئے تاریخ حدیث کے بیان کرنے والوں نے حدیث کی کتابی تدوین کا آغاز کب سے ہوا، اس کی طرف بہت کم توجہ کی۔ لیکن آج اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو نہیں جانتے ہیں اُن مسکینوں کو تو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی اس حدیث کا کیا اعتبار جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دو سو برس بعد مدون ہوئی۔ اچھے پڑھے لکھے لوگ اپنے اس دعوی کے ثبوت میں بیچارے امام بخاری اور مسلم کے سن وفات کو پیش کر دیتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک سب سے پہلے حدیثوں کو جس نے قلمبند کیا، وہ یہی حضرات تھے۔ اور یہ تو خیر جاہلوں کی باتیں ہیں۔ لیکن بعض محدثین کے بیانات سے عموماً ارباب واقفیت بھی اس مغالطہ میں مبتلا ہیں کہ سب سے پہلے جس نے حدیث مدون کی وہ ابن شہاب زہری ہیں جن کا زمانہ پہلی صدی کے اختتام کا ہے۔ گویا یہ لوگ ایک سو برس پیچھے ہٹ کر کتابت حدیث کی تاریخ کو لے جاتے ہیں۔ اس زمانہ کے مطالبوں سے پریشان ہو کر بعض بزرگوں نے جب زیادہ کد و کاوش کنجکاؤ سے کام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیا، تو انہوں نے اعلان فرمایا کہ زیادہ تو نہیں، لیکن حدیثوں کا تھوڑا بہت حصہ عہد صحابہ بلکہ عہد نبوت میں بھی قید تحریر میں آگیا تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اب تک جو کچھ کہا گیا ہے اس میں پوری تحقیق سے کام نہیں لیا گیا۔ ان لوگوں کو اپنی تائید میں یہ مغالطہ بھی مل جاتا ہے کہ عہد نبوت و صحابہ میں تحریری ساز و سامان ہی کہاں تھا۔ تھوڑا بہت جو تھا، اُسی کی حیثیت کے مطابق کچھ چیزیں قید تحریر میں آگئی ہوں گی۔ کتابت و تحریر کے سامانوں کی اس زمانہ میں عرب کے اندر کیا حالت تھی، یہ ایک مستقل مضمون ہے۔ شروع میں بھی اس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے اور اس وقت اگر تفصیل سے کام لیتا ہوں تو بات بہت طول ہو جائے گی، اس کے لئے مستقل مقالہ کی ضرورت ہے۔ لیکن کم از کم جو قرآن پڑھتا ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ وہ عرب جو قرآن کا ماحول ہے، اس کے متعلق تحریری سامانوں کے اس افلاس کا کس طرح یقین کر سکتا ہے۔ بھلا جس کتاب کا نام ہی قرآن (پڑھی جانے والی چیز) ہو، فاتحہ کے بعد جس کی پہلی سورۃ کی پہلی آیت کا دوسرا لفظ کتاب ہو، اور مسلسل کتاب، زبر، اسفار، قراطیس، لوح کا ذکر تقریباً ہر بڑی سورہ میں بار بار آتا ہو، پہلی آیت جو پیغمبر پر نازل ہوئی اس میں پڑھنے، لکھنے، قلم تک کا ذکر موجود ہو، روشنائی (مداد) دوات، سفرہ، کاتبین، سجل کا ذکر جس کتاب میں پایا جاتا ہو، کون خیال کر سکتا ہے کہ یہ کتاب ایسے لوگوں میں اتری جو نوشت و خواند سے ایسے عاری تھے جیسے جنگل کے بھیل، اور گونڈ ہیں۔ سردست صرف اسی ایک قرآن کے اندرونی اشارہ پر اکتفا کر کے میں اب[۱]

---

[۱] میں نے اب تک اس موضوع پر کوئی مستقل مقالہ تو نہیں لکھا ہے لیکن "جاہلیت اولیٰ و جاہلیت اخریٰ" کے عنوان سے جو میرا مضمون شائع ہو چکا ہے اس میں پیش نظر مواد کا ایک حصہ آگیا ہے خدا نے چاہا تو ان شاء اللہ اپنے معلومات کو کسی مستقل کتاب کی شکل میں مرتب کر دوں گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے دعوے کا اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ عملی تواتر اور روایت ان دو ذریعوں کے سوا حدیث کی کوئی معمولی مقدار نہیں، بلکہ اس وقت ہمارے پاس اس تاریخ کا جو ذخیرہ موجود ہے، اُس کا غالب ترین حصہ (کم از کم نمبر اول کی صحیح حدیثوں کی جو تعداد ہے) خود اس کے عینی شاہدوں کے زمانہ میں زیادہ تر ان ہی کے ہاتھوں سے قید تحریر میں آچکا تھا۔ اور اس کے بعد اس دعوے پر یہ اور اضافہ کرتا ہوں کہ ان واقعات کا ایک بڑا جز جس طرح تواتر کے ساتھ مسلمانوں میں منتقل ہوتا چلا آرہا ہے، اور روایت کے متابعاتی و شواہدی طریقوں سے جس طرح یہ موجودہ شکل میں آیا ہے، ٹھیک اسی طرح اپنے چشم دید گواہوں کے زمانہ سے قید تحریر میں آکر مسلسل اسی طرح کتابی شکل میں باقی رہا اور اب تک باقی ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ ممکن ہے کہ ابتدا میں بعض لوگوں نے حدیث کے بعض ذخیروں کو لکھ لیا ہو، لیکن بعد کو وہ کتابی ذخیرے ضائع ہو گئے، اور درمیان میں پھر زبانی روایت پر اس کا دارومدار رہ گیا ہو، اور آخر میں لوگوں نے اسے پھر قلم بند کیا۔ ایسا سمجھنا بھی قطعاً واقعات کے خلاف ہے۔ بلکہ جس طرح گلستاں جب سے سعدی نے لکھی اور اب تک درمیان میں غائب ہوئے بغیر اسی کتابی شکل میں منتقل ہوتی چلی آرہی ہے، یعنی اس کتاب پر ایسا کوئی زمانہ نہیں گذرا کہ دنیا سے بالکلیہ ناپید ہو گئی ہو، اور پھر لوگوں نے اپنے حافظوں کے ذریعہ سے اسے دوبارہ قید تحریر میں لایا ہو۔ جیسا کہ توارت وغیرہ کے متعلق ایک دفعہ نہیں بار بار یہ واقعہ پیش آتا رہا ہے کہ تین تین سو چار چار سو سال کے لئے اس کا تحریری سرمایہ ناپید ہو گیا اور پھر سینوں سے اس کو سفینوں میں لانے کی کوشش[1] کی گئی، حدیث کے اس کتابی ذخیرہ پر

---

[1] منجملہ دیگر عام مصادر کے میری کتاب النبی الخاتم صلے اللہ علیہ وسلم میں توارت و انجیل وغیرہ کے متعلق اس سلسلہ کے کافی معلومات مل سکتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بحمد اللہ یہ حادثہ کبھی نہیں گذرا۔

بہرحال یہ تو میرا دعویٰ ہے، اس دعوے کے ثبوت کے جو ذرائع میرے پاس ہیں اب انہیں پیش کرتا ہوں۔ لیکن قبل اس کے کہ اور باتیں بیان کی جائیں، پہلے یہ سن لینا چاہیے کہ اس وقت امت کے ہاتھ میں حدیثوں کا جو معتبر اور قابل اعتماد ذخیرہ موجود ہے، اس کی مقدار اور ان حدیثوں کی تعداد کیا ہے؟ یوں تو عام طور سے جہاں حدیث کے حافظوں کا ذکر کیا جاتا ہے، ان کی تعداد بہت زیادہ بتائی جاتی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ امام احمد بن حنبل کو نامعتبر یاد شدہ حدیثوں کے سوا جو قابل اعتماد حصہ محفوظ تھا اس کی تعداد سات لاکھ کے اوپر تھی۔ اسی طرح امام ابوزرعہ جو حفاظ حدیث میں خاص امتیاز رکھتے ہیں ان کی حدیثوں کی تعداد بھی سات لاکھ بتائی جاتی ہے۔ امام بخاری کے متعلق عام طور سے لکھتے ہیں کہ انہیں دو لاکھ کے قریب تو غیر صحیح اور ایک لاکھ صحیح حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ امام مسلم سے لوگوں نے ان کا یہ دعویٰ نقل کیا ہے کہ اپنی کتاب صحیح کے متعلق خود فرمایا کرتے تھے کہ اپنے کان سے سنی ہوئی تین لاکھ حدیثوں سے میں نے یہ مجموعہ منتخب کیا ہے۔ اسی طرح مختلف لوگوں کی طرف بڑے بڑے اعداد منسوب ہیں۔ لیکن ان بیانوں سے عوام جو سمجھتے ہیں کیا اس کا مقصود بھی وہی ہے؟ بات یہ ہے کہ لوگ محدثین کی ایک اصطلاح سے چوں کہ ناواقف ہیں اس لئے انہیں حیرت ہوتی ہے بلکہ یہ بھی وسوسہ ہوتا ہے کہ مثلاً امام بخاری کو اگر اتنی صحیح حدیثیں زبانی یاد تھیں تو پھر انہوں نے اپنی کتاب میں سب کو کیوں درج نہیں کیا؟ واقعہ یہ ہے کہ حدیث کی حفاظت و بیان کا جو روایتی طریقہ ہے پہلے بھی میں بتا چکا ہوں کہ اس طریقہ کو مستحکم و مضبوط بنانے کے لئے ابتدا سے متابعات و شواہد کی کثرت کا طریقہ مروج ہو گیا تھا۔ یعنی ایک ایک حدیث کو جن جن سندوں اور طریقوں سے روایت کرنا ممکن تھا،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محدثین ان تمام طرق کو جمع کرنے کی کوشش کرتے تھے، اور ان کی یہ اصطلاح تھی کہ ایک ہی حدیث کو ان کے مختلف طریقوں کے اعتبار سے بجائے ایک کے، طریقوں کے حساب سے شمار کرتے تھے، مثلاً انما الاعمال بالنیات کی حدیث جیسا کہ بیان کر آیا ہوں واقعہ کے لحاظ سے ایک حدیث ہے لیکن محدثین چونکہ سات سو طریقوں سے اسے روایت کرتے ہیں، اس لئے بجائے ایک کے صرف اسی ایک حدیث کی تعداد سات سو ہو جاتی ہے۔ اور یہ کسی ایک حدیث کا نہیں بلکہ حدیث کے بیشتر حصہ کا یہی حال ہے۔ حدیثوں کے ان عجیب و غریب اعداد کی بنیاد ایک تو یہ ہے۔ دوسرے پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ گو ابتدا میں حدیث جس کے لفظی و لغوی معنی بات کے ہیں، اس کا اطلاق محض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ملفوظات طیبہ پر کیا جاتا تھا، مگر پھر اس میں وسعت پیدا ہوئی اور آپ کے افعال و تقریرات کو بھی اس کے نیچے درج کیا گیا۔ اسی طرح رفتہ رفتہ اطلاق میں اور کشادگی پیدا ہوئی اور صحابہ کے اقوال و فتاوی اور فیصلوں، بلکہ تابعین و تبع تابعین تک کی چیزوں کو بعض لوگوں نے "حدیث" کے نیچے داخل کر دیا۔ ظاہر ہے کہ اس کی وجہ سے قدرتاً حدیثوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔ لیکن عامی خیال کرتے ہیں کہ یہ براہ راست رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی تعداد ہے۔ صاحب توجیہ النظر لکھتے ہیں۔

ان کثیراً من المتقدمین کانوا یطلقون	متقدمین کی بڑی جماعت عموماً حدیث کے
اسم الحدیث علی ما یشمل	لفظ کا اطلاق ایسے عام مفہوم پر کرتی تھی جس
آثار الصحابة والتابعین وتابعیهم	میں صحابہ، تابعین، تبع تابعین کے آثار و فتاوی
وفتاویٰهم ویعدون الحدیث	سب ہی داخل ہیں۔ نیز ایک ہی حدیث جو
المروی باسنادین	دو سندوں سے مروی ہوتی اسے دو حدیث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدیثین (صفحہ ۹۴) قرار دیتے تھے۔

اور یہی مراد ہے ابن جوزی کے اس فقرے سے جو حدیثوں کے ان اعداد کو درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ان المراد بھذا العدد الطرق لا المتون (تلقیح صفحہ ۱۸۴) یعنی ان اعداد سے مقصد حدیثوں کے متن کی مقدار نہیں ہے بلکہ ان کے طریقے اور اسناد مراد ہیں۔

یہ حدیث کے ان بڑے بڑے اعداد کا حال ہے۔ لیکن واقعی وہ حدیثیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک سے براہ راست تعلق رکھتی ہیں، آپ کو سن کر حیرت ہوگی کہ کہاں لاکھ اور دو لاکھ، چار لاکھ کی باتیں تھیں، اور اب سنئے کہ امام بخاری کی صحیح سند کے ساتھ جو حدیثیں مروی ہیں ان کی تعداد دے دے کے بمشکل دو ہزار چھ سو دو ۲۶۰۲ ہے۔ اور امام مسلم کی حدیثوں کی تعداد کل چار ہزار ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ مسلم میں بخاری کے سوا چار ہزار حدیثیں ہیں۔ بلکہ زیادہ تر دونوں کی روایتیں مشترک ہیں۔ اور یہ تو ان دو بڑی کتابوں کی حدیثوں کا حال ہے۔ موطا امام مالک جسے بعض لوگ صحیح بخاری پر بھی ترجیح دیتے ہیں، اس کی کل حدیثوں کی تعداد صرف چھ سو چھیانوے ۶۹۶ ہے۔ بہرحال شمار کرنے سے یہ معلوم ہوا ہے کہ صحیح، حسن، ضعیف، ہر قسم کی تمام حدیثیں جو اس وقت صحاح ستہ، مسند احمد اور دوسری کتابوں میں موجود ہیں اُن کی تعداد پچاس ہزار بھی نہیں ہے۔ اور یہ ہر رطب و یابس کے مجموعہ کی تعداد ہے۔ تمام کتابوں سے چھان بین کر ابن جوزی نے نہیں، جن کی تنقید کا معیار بہت سخت ہے، بلکہ حاکم جو نرمی اور مسامحت میں مشہور ہیں، ان کا بیان ہے کہ اول درجہ کی صحیح حدیثوں کی تعداد دس ہزار تک بھی نہیں پہنچ سکتی۔ اب حاکم کی اس رپورٹ کو اپنے سامنے رکھئے اور اس کے بعد میں بتانا چاہتا ہوں کہ اُن خطوط، اور معاہدوں، امان ناموں، جاگیر و قطائع وغیرہ کے فرامین کے سوا جن کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا ہے اور جن کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے[1] اور حدیث کی جو تعریف ہے ان پر وہ بھی صادق

---

[1] ہمارے فاضل و عزیز دوست ڈاکٹر حمید اللہ صاحب ڈی فل، ڈی لٹ پروفیسر جامعہ عثمانیہ نے ان (باقی اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid.com

آتی ہے، حدیث کے اس کتابی ذخیرہ کے سوا عہد نبوت و قرون صحابہ میں حدیث کا کتنا سرمایہ کتابی شکل اختیار کر چکا تھا؟ دنیا کو یہ سن کر حیرت ہوگی، لیکن کیا کیا جائے واقعہ یہی ہے کہ دس ہزار ہی نہیں بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ تعداد میں حدیثیں عہد نبوت و عہد صحابہ میں کتابی شکل اختیار کر چکی تھیں۔ آخر آپ خود جوڑ لیجئے۔ محدثین لکھتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثوں اور مرویات کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر ہے اور ایک ذریعہ سے نہیں مختلف ذرائع سے یہ ثابت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ خود اپنی یادداشت کے لئے بھی اپنی روایت کردہ حدیثوں کو کتابی شکل میں لے آئے تھے۔ حافظ ابن عبدالبر نے جامع میں ان کی اس کتاب کے واقعہ کو اس طرح درج کیا ہے کہ مشہور صحابی عمرو بن امیہ ضمیری جن کو طلسم ہوشربا اور داستان امیر حمزہ نے عمرو عیار کے نام سے بہت مشہور کر دیا ہے، اُن کے صاحبزادے حسن بیان کرتے ہیں:۔

تحدثت عند ابي هريرة بحديث فانكره فقلت اني قد سمعته منك فقال ان كنت سمعته مني فهو مكتوب عندي فاخذ بيدي الى بيته فارانا كتبا كثيرة من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فوجد ذلك الحديث فقال قد اخبرتك

میں نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک حدیث بیان کی، انہوں نے اس کا انکار کیا۔ میں نے عرض کیا کہ اس حدیث کو میں نے آپ ہی سے سنا ہے۔ بولے اگر تم نے مجھ سے حدیث سنی ہے تو پھر وہ میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی۔ پھر انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے

(بقیہ صفحہ ۱۹۶) کو ایک خاص فاضلانہ ترتیب کے ساتھ جمع بھی کردیا ہے اور اب ان کی یہ کتاب مصر میں "الوثائق السیاسیہ" کے نام سے طبع ہو رہی ہے۔ اب تک ڈاکٹر صاحب ممدوح کو عہد نبوی کے ۲۸۲ کتابی وثائق مل چکے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کنت حدثتک به فهو مکتوب عندی.

کمرہ میں لے گئے۔ مجھے انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی بہت سی کتابیں دکھائیں۔ اسی (ذخیرہ) میں وہ حدیث بھی پائی گئی۔ حضرت ابوہریرہ نے اس کے بعد فرمایا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں نے اگر کوئی حدیث تم سے بیان کی تھی تو وہ میرے پاس لکھی ہوئی ہے۔

حافظ ابن حجر نے بھی دوسری سند سے فتح الباری میں اس روایت کو درج کیا ہے۔ اس سے صرف یہی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ابوہریرہ کے پاس صرف چند حدیثیں لکھی ہوئی تھیں، بلکہ جو کچھ وہ روایت کرتے تھے کتابی شکل میں ان کے پاس وہ موجود تھا۔ جب یہ معلوم ہے کہ ان کی مرویات کی تعداد پانچہزار سے اوپر ہے اس کے بعد اگر کہا جائے کہ پانچہزار سے اوپر حدیثیں اس وقت لکھی ہوئی تھیں تو کیا اس روایت سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی! اور صرف ایک نسخہ نہیں، دارمی جو حدیث کی مستند کتاب ہے اور اس کا درجہ صحاح ستہ کی اکثر کتابوں سے بلند ہے، اس میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشہور رشاگرد بشیر بن نہیک نے ایک نسخہ ان کی حدیثوں کا تیار کر کے خود ان کو پڑھ کر سنایا تھا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔

عن بشیر بن نهیك قال كنت اكتب ما اسمع من ابي هريرة فلما اردت ان افارقه اتيته

حضرت بشیر بن نہیک سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو حدیثیں میں سنا کرتا تھا انہیں لکھ لیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بكتابه فقرئته عليه وقلت له هذا ما سمعت منك قال نعم۔	کرتا تھا۔ جب میرا ارادہ ان سے الگ ہونے کا ہوا تو ان کی حدیثوں کو ان کے سامنے پڑھ گیا! اور آخر میں کہا کہ یہ وہ حدیثیں ہیں جو آپ سے میں نے سنی ہیں۔ بولے ہاں۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے شاگرد ہمام بن منبہ ہیں جو یمن کے امرا میں تھے۔ ایک زمانہ تک ان کی خدمت میں رہے اور ان کی حدیثوں کو جمع کیا جو صحیفۂ ہمام کے نام سے مشہور ہے۔ امامؒ احمد بن حنبل نے اس کتاب کا ایک بہت بڑا حصہ اپنی مسند میں داخل کردیا ہے۔ گویا اس کے معنی یہ ہوئے کہ اسی زمانہ میں حضرت ابوہریرہ کی حدیثوں کے یہ تین نسخے تیار ہو چکے تھے۔ اور ان کا تو پتہ چلا ہے۔ ورنہ ابوہریرہ جن کے شاگردوں کی تعداد امام بخاری نے آٹھ سو کے قریب بتائی ہے، کون کہہ سکتا ہے کہ کتنوں نے اس کام کو کیا ہوگا۔ خود حضرت ابوہریرہ نے اپنے لئے جب نسخہ تیار کیا تھا تو کیا وجہ ہو سکتی تھی کہ ان کے شاگرد ایسا نہ کرتے۔ اور اس سے بھی میں اور آگے بڑھتا ہوں۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک یہ بیان درج ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے۔

مامن اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم احد اكثر حديثا عنه مني الا ما كان من عبد الله بن عمرو۔	آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں حضور کی حدیثوں کا بیان کرنے والا مجھ سے زیادہ کوئی نہیں ہے۔ البتہ عبداللہ بن عمرو بن العاص اس سے مستثنیٰ ہیں (یعنی ان کی

؎ اس کا ایک قلمی نسخہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے برلن کے کتب خانہ میں ڈھونڈ نکالا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدیثوں کی تعداد مجھ سے بھی زیادہ ہے)

جس کے یہ معنی ہوئے کہ عبداللہ بن عمرو کی مرویات کی تعداد خود حضرت ابوہریرہ کے ذاتی اعتراف کی بنیاد پر ان کی حدیثوں سے زیادہ تھی۔ جب ان کی حدیثیں پانچ ہزار سے زائد ہیں تو اس کا کھلا ہوا نتیجہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر سے یقیناً زائد ہونی چاہیے۔ بخاری کے صریح الفاظ کا یہ تقاضا ہے۔ اب سنیئے کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیثوں کا کیا حال ہے۔ بخاری کی اسی حدیث میں ابوہریرہ ہی کا یہ بیان درج ہے کہ وہ لکھا کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مجموعہ کے متعلق تو صحیح طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں انہوں نے اسے جمع کیا تھا یا وفات کے بعد۔ لیکن عبداللہ بن عمرو بن العاص جن کی حدیثوں کی تعداد حضرت ابوہریرہ ہی کے بیان کے مطابق ان کی حدیثوں سے زیادہ اور کثیر ہے، ان کے متعلق تو سب کو معلوم ہے کہ خود براہ راست آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وہ آپ کی حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ ان کا اپنا بیان ہے جس کا حافظ ابن عبدالبر، ابن سعد، بلکہ ابوداؤد وغیرہ سب نے ذکر کیا ہے۔ میں حافظ ابن عبدالبر کی روایت درج کرتا ہوں۔ خود حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں:۔

قلت یا رسول اللہ اکتب کل ما اسمع منک؟ قال نعم قلت فی الرضاء والغضب؟ قال نعم فانی لا اقول فی ذلک

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا "وہ سب کچھ" جو آپ سے سنتا ہوں لکھ لیا کروں؟ حضور نے فرمایا ہاں میں نے عرض کیا کہ خوشی اور غصہ دونوں حالتوں کی باتوں کو لکھ سکتا ہوں؟ آپ نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کلہ الاحقا۔ فرمایا ہاں کیونکہ میں ان سب حالات میں "حق" کے سوا کچھ نہیں بولتا۔

اس روایت میں "اکتب کل ما سمع" وہ سب کچھ جو آپ سے سنتا ہوں لکھ لیا کروں" قابل غور ہے۔ جس کے یہی معنی ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہر بات خواہ رضا یا غضب کے حال کی ہو، لکھ لیا کرتے تھے۔ محدثین میں ان کی یہ کتاب "صحیفہ صادقہ" کے نام سے مشہور ہے اور اکثر کتابوں میں اس کا تذکرہ موجود ہے سو خود بھی اپنی اس کتاب کو اسی نام سے یاد کرتے تھے مجھے اس وقت حوالہ محفوظ نہیں ہے، لیکن خیال آتا ہے کہ کسی کتاب میں میں نے یہ بھی پڑھا ہے کہ یہ نام خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا تجویز کیا ہوا تھا، واللہ اعلم بالصواب۔

ابھی مجھے بہت کچھ کہنا ہے، لیکن صرف اسی حد تک میں ٹھیر جاؤں تو گذشتہ بالا وثائق کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ اول درجہ کی صحیح روایتوں کی جو تعداد حاکم نے بیان کی ہے، یعنی انہوں نے یہ نہیں لکھا ہے کہ صحیح حدیثوں کی تعداد دس ہزار ہے، بلکہ ان کے الفاظ یہ ہیں

الاحادیث التی فی الدرجۃ الاولی لا تبلغ عشرۃ آلاف — اعلیٰ درجہ کی حدیثوں کی تعداد دس ہزار تک نہیں پہونچ پاتی،

(توجیہ النظر صد ۹۳)

جس کا یہی مطلب ہوا کہ دس ہزار سے کم ہی ہیں، اور معلوم ہو چکا کہ عہد نبوت ہی میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جو مجموعہ جمع ہوا، اس کی روایتوں کو پانچ ہزار تین سو چوہتر سے تو یقیناً زیادہ ہونا چاہئے، اور ایسے موقع پر ہمیں اس کا بھی خیال کرنا چاہئے کہ عام محاوروں میں "اکثر" کا لفظ جب استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محض ریاضیاتی زیادتی مراد نہیں ہوتی، یعنی صرف دو تین عدد کی زیادتی کبھی مقصود نہیں ہو سکتی بلکہ اکثریت معقول تعداد کی زیادتی کو چاہتی ہے، گویا حاکم نے صحیح حدیثوں کی جو تعداد بیان کی ہے، قریب قریب یہ باور کرنا چاہیئے کہ عہد نبوت ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی اتنی مقدار خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عبد اللہ بن عمرو قلم بند کر چکے تھے۔ اور ان کے لکھنے پڑھنے کا جو حال تھا اس کے حساب سے ان کے لئے یہ کام کچھ دشوار بھی نہ تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی جب شام و مصر میں ان کو عیسائیوں اور یہودیوں وغیرہ کی کتابیں ملیں تو ان سے منتخب کر کے انہوں نے ایک بڑا دفتر تیار کیا تھا اور اس کا نام انہوں نے صحیفہ یرموکیہ رکھا تھا کسی موقعہ پر ان کی اس کتاب کا ذکر آئے گا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تالیف و تصنیف سے انہیں فطری لگاؤ تھا۔ بہر حال پھر بھی ابھی تک میرے نتیجہ کی حیثیت فی الجملہ قیاسی نتیجہ کی ہے۔ لیکن اب آگے سنیئے۔ جن صحابیوں کا شمار ان لوگوں میں ہے جن سے بکثرت حدیثیں مروی ہیں، اس فہرست میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص اور صحابہ میں معمر ترین بزرگ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔ ان کی حدیثوں کی تعداد ایک ہزار دو سو چھیاسی ہے۔ دارمی میں ان سے یہ روایت منقول ہے کہ اپنی اولاد سے جن کی ایک بڑی تعداد تھی فرمایا کرتے:۔

یا بنی قیدوا ھذا العلم — میرے بچو! اس علم (حدیث) کو قلم بند کر لیا کرو۔

اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی حدیثوں کا مجموعہ یقیناً لکھا جا چکا ہوگا۔ صرف اسی قدر نہیں دارمی ہی میں منقول ہے کہ:۔

رأیت ابان یکتب عند انس — میں نے ابان کو دیکھا کہ حضرت انس رضی اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھے لکھ رہے ہیں۔

اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز روایت مستدرک میں سعید بن ہلال کا بیان ہے:۔

کنا اذا اکثرنا علی انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاخرج الینا محالا عندہ فقال ھذہ سمعتھا من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکتبتھا وعرضتھا علیہ۔ (مستدرک حاکم)	ہم جب حضرت انس سے زیادہ پوچھ گچھ لگاتے، تو وہ اپنے پاس سے ایک چونگہ نکالتے، اور فرماتے یہ ہیں وہ حدیثیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنیں اور ان کو لکھا اور لکھ کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر پیش کر چکا ہوں۔

تھوڑے رد و بدل سے یہ الفاظ حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔

اگر یہ روایت صحیح ہے، اور حضرت انس کے متعلق کتابت حدیث کی جن دلچسپیوں کا تذکرہ دارمی سے میں نے پہلے نقل کیا ہے ان کو دیکھتے ہوئے صحت میں شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، تو عہد نبوت میں علاوہ صادقہ کے حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی حدیثوں کے قلم بند ہونے کا بھی ثبوت ملتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر پیش کر کے انہوں نے ان روایتوں کی توثیق بھی کرالی تھی۔ کیا اب بھی صحیح حدیثوں کی جو تعداد ہے عہد صحابہ میں بلکہ عہد نبوت ہی میں ان کے قلم بند ہو جانے پر کوئی شک کر سکتا ہے؟

مگر یہ داستان اسی پر ختم نہیں ہو جاتی ہے۔ حضرت انس ہی کی طرح دوسرے مکثر صحابی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ان کی روایتوں کی تعداد جیسا کہ ابن جوزی نے تلقیح میں لکھا ہے، ایک ہزار پانسو چھ ہے۔ یہ تو پہلے گذر چکا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا مسجد نبوی میں درس کا ایک حلقہ تھا۔ اب ان کی روایتوں کے بھی قلم بند ہونے کا حال سنیئے۔ صحیح مسلم میں ان کے متعلق یہ روایت درج ہے، کہ حج کے متعلق انہوں نے ایک کتاب جمع کی تھی۔ نیز حافظ ابن حجر نے تہذیب میں یہ روایت نقل کی ہے کہ ان کے ایک شاگرد وہب بن منبہ تھے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد ہمام رحمن کے صحیفہ ہمام کا ذکر گذر چکا، کے بھائی تھے، اور انہوں نے اپنے استاذ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثوں کو قلم بند کیا تھا۔ اسی طرح سلمان بن قیس یشکری نے بھی حضرت جابر کی حدیثوں کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا اور بڑے بڑے بزرگوں مثلاً شعبی اور سفیان وغیرہ نے قیس سے اس کو سنا بھی تھا۔ خود استاذ نے کتاب لکھی تھی تو شاگرد اس کی اتباع کیوں نہ کرتے۔

عورتوں میں سب سے بڑی تعداد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی حدیثوں کی ہے۔ محدثین نے ان کی حدیثوں کی تعداد دو ہزار دس بتائی ہے۔ خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق تو ثابت نہیں کہ انہوں نے اپنی حدیث جمع کی تھی، اگرچہ ان کے علم وفضل کا یہ حال تھا کہ فرائض جن کے مسائل کا حل بغیر حسابی قاعدوں کے ناممکن ہے بآسانی حل فرماتی تھیں، بڑے بڑے صحابہ ان سے فرائض کے پیچیدہ مسائل پوچھا بھیجتے تھے، ایک ایک دفعہ میں کسی شاعر کے قصیدہ کے ساٹھ ساٹھ بلکہ سو سو شعر برجستہ سنادیتی تھیں، حدیث کی اشاعت کا شوق ان کا بے نظیر ہے، اگر خود اپنی حدیثوں کے جمع کرنے کا حال معلوم نہیں ہوا۔ لیکن ان کے براہ راست شاگرد اور حقیقی بہن کے لڑکے عروہ بن زبیر، جن کا شمار۔ ان لوگوں میں ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ کی روایتوں کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے، ان کے متعلق عام طور سے مشہور ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ شروع میں انہوں نے بھی اپنے علم کو ایک کتاب میں قلم بند کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس میں حضرت عائشہ کی حدیثوں کا ہونا بھی ضرور ہے کہ سب سے بڑا سرمایہ ان کا یہی تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ واقعۂ حرہ میں جبکہ مدینہ لوٹا اور برباد کیا گیا تھا، غلط فہمی کی وجہ سے انہوں نے قصداً اپنی کتاب ضائع کردی۔ بعد کو پچھتاتے تھے اور کہتے تھے:۔

وددت انی کنت فدیتھا باھلی ومالی۔ — اچھا ہوتا کہ میں اپنے اہل وعیال اور اپنے مال کو اسی کتاب پر فدا کر دیتا۔ تہذیب (۱۸۲) ج ۷

بہر حال اس سے اتنا تو معلوم ہوا کہ عہد صحابہ ہی میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مجموعہ بھی جمع ہو گیا تھا اگرچہ عروہ کی راہ سے یہ مجموعہ ضائع ہو گیا۔ لیکن حضرت عائشہ کی دوسری مشہور خاتون شاگرد جن کا نام عمرہ بنت عبد الرحمٰن ہے، جنہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود میں پرورش پائی تھی اور حدیث عائشہ کے باب میں ان کا شمار عروہ کے برابر برابر تھا ان ہی عمرہ بنت عبد الرحمٰن کے علم کو ان کی بہن کے لڑکے ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم نے حضرت عمر بن عبد العزیز کے مشہور فرمان کی بنیاد پر جس کا ذکر بخاری وغیرہ میں بھی ہے، جمع کر لیا تھا۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ابو بکر کے نام حضرت کا فرمان آیا تھا:۔

ان یکتب لہ من العلم من عند عمرۃ بنت عبد الرحمٰن والقاسم بن محمد — عمرہ بنت عبد الرحمٰن اور قاسم بن محمد کے علم (حدیثوں) کو وہ ان کے لئے لکھ کر تیار کریں۔

اور قاسم بن محمد کے پاس بھی وہی حضرت صدیقہ ہی کی حدیثوں کا زیادہ سرمایہ تھا کہ آپ کے والد محمد بن ابی بکر ان کی ایام طفلی ہی میں مشہور فتنہ میں شہید ہو چکے تھے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس لئے یتیم بھتیجہ کی پرورش حضرت عائشہ ہی نے فرمائی تھی۔ ان ہی کے تربیت یافتہ تھے، سب کچھ انہی سے سیکھا تھا۔ بہرحال حضرت عائشہ کی حدیثیں ان ہی دونوں کے ذریعہ سے ابوبکر بن محمد نے جمع کیں، اور حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ نے ان کی نقلیں تمام ممالک اسلامیہ کے مرکزی شہروں میں بھیجیں، جس کے معنی یہ ہوئے کہ گو حضرت عروہ کی کتاب جل گئی، لیکن عمرہ بنت عبدالرحمٰن کی راہ سے حضرت عائشہ کا جو علم قلم بند ہوا تھا وہ باقی رہا۔

مکثرین (یعنی جن کی حدیثوں کی تعداد ہزار سے اوپر ہے) ان میں اکثروں کے حدیثی سرمایہ کے متعلق عہد نبوت و صحابہ ہی میں قلم بند ہونے کا حال معلوم ہو چکا۔ اب صرف دو تین اور رہ جاتے ہیں، جن میں سب سے زیادہ نمبر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایتوں کا ہے (یعنی دو ہزار چھ سو ساٹھ حدیثیں ان کی طرف منسوب ہیں۔ پہلے تو خود ان کے متعلق ابن سعد میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام رافع سے یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کارنامے لکھا کرتے تھے۔ ان کے مشہور آزاد کردہ غلام عکرمہ سے امام ترمذی نے اپنی کتاب العلل میں یہ روایت نقل کی ہے:-

ان نفرا قدموا علی ابن عباس من اھل الطائف بکتب من کتبہ فجعل یقرأ علیھم

حضرت ابن عباس کے پاس طائف کے کچھ لوگ ان کی کتابوں کو لے کر حاضر ہوئے، اور ان کے سامنے ان کی کتابیں پڑھنے لگے۔

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی زندگی ہی میں ان کی حدیثوں کا مجموعہ قلم بند ہو چکا تھا۔ لفظ "کتب" جو جمع کا صیغہ ہے، قابل غور ہے۔ ایک کتاب نہیں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے چند کتابیں تیار کی تھیں۔ اور ان کے متعلق تو صحیح مسلم تک میں یہ روایت موجود ہے کہ حضرت علی کے فیصلوں اور فتاویٰ کا ایک بڑا حصہ لکھا ہوا ان کے پاس لایا گیا۔ ابن سعد ہی میں روایت یہ بھی ہے کہ ابن عباس کی وفات کے بعد جو علم انہوں نے چھوڑا وہ ایک بار شتر تھا۔ کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ اس بار "شتر" کے کتابی مجموعہ میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیثوں کا ذخیرہ نہ تھا۔ خود ابن عباس کے ممتاز ترین رشید شاگرد سعید بن جبیر سے دارمی، طبقات ابن سعد وغیرہ میں یہ بیان منقول ہے کہ وہ ان کی حدیثوں کو لکھا کرتے تھے۔ کاغذ ختم ہو جاتا تو جو چیز ملتی حتےٰ کہ ہاتھ پر ہی لکھ لیتے، بعد کو گھر جا کر کاغذ پر اتارتے۔ سعید بن جبیر اُن کے علم کے سب سے بڑے راوی ہیں۔ جب وہ لکھا کرتے تھے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ ابن عباس کی شاید ہی کوئی حدیث لکھنے سے رہ گئی ہو۔

ان کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثوں کا نمبر ہے۔ ان کی حدیثوں کی تعداد ایک ہزار چھ سو تیس ہے اب تک مجھے کوئی تحریری ثبوت اس کا تو نہیں ملا کہ خود ابن عمر نے اپنی حدیثوں کا مجموعہ تیار کیا تھا۔ لیکن دارمی ہی کی یہ روایت ہے، بلکہ طبقات ابن سعد میں بھی یہ روایت موجود ہے کہ سلمان بن موسیٰ کا یہ بیان ہے کہ انہوں نے:۔

انه رای نافعا مولی ابن عمر علی علمه و یکتب بین یدیه۔

ابن عمر کے مولیٰ نافع کو دیکھا کہ لوگ ان کے سامنے بیٹھ کر لکھ رہے تھے۔

نافع کے متعلق سب جانتے ہیں کہ یہ حضرت ابن عمر کے چہیتے آزاد کردہ غلام تھے تیس سال تک ان کی خدمت میں رہے۔ امام مالک کی ان ہی روایتوں کو جو نافعؔ، ابن عمر کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذریعہ سے وہ روایت کرتے ہیں بعض لوگ سلسلۃ الذہب (سنہری زنجیر) قرار دیتے ہیں۔ اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ابن عمر کا علم خود ان کے براہ راست شاگرد کے ذریعہ سے یقیناً قلم بند ہو چکا تھا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ابن عباس و ابن عمر کے زمانہ تک بنی امیہ کی حکومت قائم ہو چکی تھی جس میں تصنیف و تالیف بلکہ ترجمہ تک کا چرچا مسلمانوں میں عام طور پر ہو چکا تھا۔ ان بزرگوں کی حدیثوں کا نہ قلم بند ہونا البتہ محل تعجب ہے۔ پھر جب دلائل موجود ہیں تو انکار کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

اور یہ حال تو ان بزرگوں کی حدیثوں کا ہے جو مکثرین کے طبقہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کے سوا دوسرے اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جن کا شمار اس طبقہ میں نہیں ہے، ان میں ایک نہیں متعدد صحابیوں کے متعلق ثابت ہے کہ صرف ایک دو حدیث نہیں، بلکہ ان کے بھی اچھے خاصے مجموعے لکھے ہوئے موجود تھے، جن میں بعض تو خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے لکھوائے ہوئے تھے۔ مثلاً وائل بن حجر صحابی جو حضرموت کے شاہزادوں میں تھے، مدینہ آکر مسلمان ہوئے، اور کچھ دن قیام فرما کر جب واپس جانے لگے تو طبرانی صغیر میں مروی ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے ایک صحیفہ لکھوا کر ان کے حوالے کیا جس میں نماز۔ روزہ۔ شراب۔ سود وغیرہ کے احکام تھے۔

دوسری طویل چیز جو خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ہی لکھوائی ہوئی ہے اس کا تو ذکر بخاری تک میں ہے۔ آپ میں کون نہیں جانتا کہ حجۃ الوداع میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جو خطبہ دیا تھا، اس میں ہر فقرہ بجائے خود اسلام کا ایک اصول تھا۔ اور اچھا خاصہ طویل ہے۔ ابو شاہ یمنی صحابی کی درخواست پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ خطبہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کو خود لکھوا کر دیا۔ بخاری کی روایت سے شاید شبہ ہو سکتا ہے کہ پورے خطبہ کی نقل کا شاید حکم نہیں دیا گیا تھا۔ امام اوزاعی جو سیر کے امام ہیں، ان سے یہ پوچھا گیا کہ کیا پورا خطبہ لکھوایا گیا تھا؟ بولے ہاں!

هذه الخطبة التى سمعها من النبى صلى الله عليه وسلم (عینی ۱۲۲ ج)	یعنی وہی خطبہ جسے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا لکھوا کر دیا گیا)

دارمی ہی کی ایک اور روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یمن والوں کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مختلف قسم کے احکام ایک رسالہ کی شکل میں لکھوا کر بھیجے تھے۔

دارمی کے الفاظ یہ ہیں:۔

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كتب الى اهل اليمن ان لا يمس القرآن الا طاهر ولا طلاق قبل ملاك ولا عتاق حتى يبتاع ص ۲۹۳	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن والوں کو یہ لکھوا کر بھیجا کہ قرآن کو پاک آدمی کے سوا کوئی نہ چھوئے، اور قبل مالک ہونے کے (یعنی نکاح کے) طلاق نہیں ہے، اور جب تک غلام خریدا نہ جائے اس کے آزاد کرنے کے کوئی معنی نہیں۔

اس کتاب میں جب اتنے تفصیلی مسائل تھے تو اسلام کے عام فرائض و واجبات کا ہونا تو زیادہ اغلب ہے۔ اسی طرح کنز العمال میں ایک روایت ہے کہ عمرو بن حزم کو جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ایک تحریر بھی لکھوا کر ان کے حوالہ فرمائی گئی جس میں فرائض، صدقات، دیات (یعنی قتل کے خون بہا کا قانون) وغیرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے متعلق بہت سی ہدایتیں تھیں۔ اسی طرح حافظ ابن حجر نے تہذیب میں حضرت سمرہ بن جندب مشہور صحابی کے بیٹے سلیمان بن سمرہ کے متعلق لکھا ہے کہ:۔

روی عن ابیہ نسخۃ کبیرۃ — اپنے والد سے وہ ایک بڑا نسخہ روایت کیا کرتے تھے۔

(تہذیب ص ۱۹۸ ج ۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سمرہ کی حدیثیں بھی جمع ہو چکی تھیں خصوصاً "کبیرۃ" کے لفظ سے اس کی زیادہ تائید ہوتی ہے، ورنہ چند حدیثوں کے متعلق ظاہر ہے کہ "نسخہ کبیرہ" کا اطلاق صحیح نہیں ہو سکتا ترمذی نے کتاب الاحکام میں ایک روایت "باب الیمین مع الشاہد" کے سلسلہ میں جو درج کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبیلہ خزرج کے مشہور سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی ایک صحیفہ تھا جس کے حوالہ سے ان کے صاحبزادے بعض روایتیں بیان کیا کرتے تھے۔ اور اس میں کوئی تعجب بھی نہیں ہے، اس لئے کہ قبل الاسلام "کتابت" یعنی لکھنے میں جن لوگوں کو مہارت حاصل تھی ان میں ایک حضرت سعد بن عبادہ بھی تھے۔ بخاری کی ایک روایت سے جو کتاب الجہاد باب الصبر علی القتال میں مروی ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اپنی حدیث لکھا کرتے تھے۔ اسی طرح بخاری ترمذی اور صحاح کی دوسری کتابوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایک صحیفہ کا ذکر پایا جاتا ہے جسے وہ اپنی تلوار کے نیام میں رکھا کرتے تھے۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صحیفہ میں "شریعت" کے بعض اہم مسائل تھے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بیان فرمائے تھے۔ تلاش اور تتبع سے اگر اور کام لیا جائے تو اس قسم کے کتابی ذخیروں میں اور اضافہ ہو سکتا ہے۔ لیکن بالفعل اپنے بیان کی پہلی قسط کو اسی پر ختم کرتا ہوں، اور مقالہ کے دوسرے مباحث کا تذکرہ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ قسطوں میں کیا جائے گا، جس میں سب سے پہلے یہ بیان کیا جائے گا کہ جب حدیث کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتابی ذخیرہ کا اتنا بڑا سرمایہ عہد نبوت و صحابہ میں جمع ہو چکا تھا۔ اور حدیث کی عام کتابوں میں اس کا ذکر موجود تھا، پھر باوجود اس کے لوگوں کو یہ مغالطہ کس بنیاد پر ہوا کہ سب سے پہلے حدیث کی کتابی تدوین ابن شہاب زہری نے پہلی صدی کے اختتام میں عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ کے فرمان سے شروع کی۔ اس مغالطہ کے ازالہ کے بعد جن حقائق کا انکشاف ہوگا، ان کے نتائج پر بحث کرنے کے بعد "تدوین حدیث" کے دوسرے مباحث کا تذکرہ کیا جائے گا۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

اطلاع

اخبار "مسلمان" جو ملک کے مشہور اہل قلم مولانا نصر اللہ خاں عزیز بی۔ اے کی ادارت میں ہفتہ میں دو بار شائع ہوتا ہے اور علاوہ تمام سیاسی۔ اخباری علمی اور ادبی معلومات کے جو ایک بلند پایہ اخبار کے لوازم ہیں، حکومت الٰہیہ کے قیام اور جماعت اسلامی کے استحکام کی بھی دعوت دیتا ہے۔ اس کا مطالعہ حکومت الٰہیہ کے قیام کی سعید و مبارک منزل کی طرف اقدام کی حیثیت رکھتا ہے اور دینی برکات اور دنیوی معلومات کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔ آج ہی سے اس کے مستقل خریدار بن جائیے تاکہ اس کے سلسلہ علم و نظر کی ہر کڑی آپ کے سامنے رہے۔ قیمت سالانہ نے ششماہی ۔ سہ ماہی عہ نمونہ کا پرچہ مفت طلب کیجئے۔

مینجر اخبار "مسلمان" لاہور

© rasailojaraid.com